کاکولیات

(پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول میں زیرِ تربیت کیڈٹ کی آپ بیتی)

صولت رضا

پیش لفظ

کیپٹن صولت رضا سنگلاخ فوجی زمین سے پھوٹنے والا تازہ چشمہ ہے۔ اسی زمین سے پھوٹنے والے کئی چشمے مثلاً لیفٹیننٹ کرنل فیض احمد فیض، میجر چراغ حسن حسرت، میجر جنرل شفیق الرحمن، کرنل محمد خان اور میجر ضمیر جعفری پہلے ہی دریا اور سمندر بن چکے ہیں۔ صولت میں بھی چشمہ سے سمندر بننے کی صلاحیت موجود ہے۔

اوپر میں نے جن فوجی ادیبوں کے نام گنوائے ہیں، ان میں فیض صاحب کے علاوہ سب ہی مزاح کے میدان کے شہسوار مانے جاتے ہیں، اگر فیض سیاسیات اور

نظریات کی طرف نہ نکل جاتے تو شاید وہ بھی اسی صف میں نظر آتے۔ انکی کمی قابلِ افسوس سہی، لیکن ان کے بغیر بھی یہ صف بہت سجتی ہے۔

ان فوجی ادیبوں نے مزاح یا شگفتہ نگاری کی طرف کیوں رخ کیا اور کیپٹن صولت بھی اسی چمنستان کی طرف کیوں روانہ نظر آتے ہیں؟ یہ سوال یقیناً ہمارے محققوں اور نقادوں کو دعوتِ فکر دیتا ہے، لیکن مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ مزاح زندگی کی تپش سے چھنتا ہے جس کی فوجی زندگی میں بہت فراوانی ہے۔ یہ تپش جفاکش اور سخت گیر ڈسپلن کی پیداوار ہی نہیں، زندگی کی حسرتوں کا گراف بھی ہے، کوئی زندگی کے تھپیڑوں سے مات کھا کر نقاشِ غم بن جاتا ہے اور کوئی اپنی امنگوں کے خون کو مہکتے لفظوں میں سجا لیتا ہے، اپنی اپنی نظر اور اپنے اپنے ظرف کی بات ہے۔ صولت کی فوجی زندگی کا بیشتر حصہ پہاڑوں پر گذرا ہے، وہ اپنی امیدوں کے آبگینے اٹھائے کوہ کوہ دمن دمن پھرتا رہا ہے، اس کا پہلا پڑاؤ کاکول تھا، جس کی روداد آپ کے سامنے ہے۔ اس کی دوسری اڑان بلوچستان کی طرف تھی جس کی آنچ کسی اور رنگ میں ظاہر ہوگی۔

میں تو پی ایم اے نہیں گیا، لیکن وہاں تربیت پانے والوں کا کہنا ہے کہ کاکول ایک کٹھالی ہے جہاں کچے لوہے کو پگھلا کر ملک کے دفاعی حصار کے قابلِ اعتماد ستون تیار کئے جاتے ہیں۔ میں نے صولت کو کاکول جانے سے پہلے نہیں دیکھا تھا، لیکن وہاں سے واپسی پر جتنا بھی بچا کھچا نظر آیا، اس سے مجھے کٹھالی کی حدت کا احساس ہوگیا۔

کٹھالی نے سارا کھوٹ نکال کر ایک ننھا منا لفظ ثمین تراش دیا جو بالکل خالص ہے۔

اگر کاکول کی سنگلاخ زمین پر پاؤں مار مار کر صولت کا قد گھس گیا ہے تو اسے فکر نہیں ہونی چاہیئے، کیونکہ ''کاکولیات'' نے اس کا ادبی قد اونچا کر کے اس کی تلافی کر دی ہے۔ اللہ تعالٰی اسکے قلم کو اتنی طاقت اور طراوت بخشے کہ یہ ادبی بٹالین کے ایڈجوٹنٹ سے اسکا کمانڈنگ افسر بن جائے۔

صدیق سالک

راولپنڈی

صراط کمیشن

نیو کیمپس کے کیفے ٹیریا کچھ عرصہ پہلے نہر کے کنارے آباد تھا۔ یونیورسٹی کے لڑکوں اور لڑکیوں کی ان گنت ٹولیاں دن ڈھلے تک سایہ درختوں تلے براجمان رہتیں، ''بریک'' یا ''آف پیریڈ'' میں دور سے میلے کا سماں نظر آتا۔ فلک شگاف پھڑ پھڑاتے قہقہے، گنگناتی مسکراہٹیں اور صبح کی ہوا کی مانند سرسراتی ہنسی ان ٹولیوں کی پہچان تھی۔ کبھی کبھی ایک کونے سے ''آورد'' قسم کی سسکیاں سنائی دیتیں، تو یوں لگتا جیسے کسی نے محبت اور پیار کی نہر کا پانی بند کر دیا ہو، نہر کا پانی گدلا تھا اور برسات میں اسکی سرخی اور نمایاں ہو جاتی۔ یہ نہر سب کی دوست تھی اور مترنم پانی بڑے بڑے

راز سمیٹے آگے بڑھ جاتا۔ میں اسے روزانہ ملنے جایا کرتا تھا، کبھی اکیلا اور اکثر دوستوں کے ساتھ، واقعی یہ نہر سب کی رازداں تھی، اسکے کنارے کچھ نوجوان اپنے مستقبل کے تانے بانے بنتے اور کچھ دوسروں کے لئے جال تیار کیا کرتے تھے۔ کلاس نوٹس کے تبادلے، ایبٹ روڈ پر چلنے والی جوبلی مارکہ فلموں کے تذکرے، ساتھی سے اختر شیرانی کے انداز میں گفتگو، ہم جماعت سے معطر خطوط کے ذریعے نامہ و پیام۔۔۔ یہ غیر نصابی مشغلے تھے۔ اسکے بعد نہر کے کنارے ہی پر معمولی تعارف دوستی میں بدل جاتا اور ایک روز کوئی سرگوشی کرتا کہ فلاں ''دوست'' اب زندگی بھر کے رفیق بن گئے ہیں، تو حلقہ یاراں میں معنی خیز مسکراہٹیں جھوم اٹھتیں۔

داخلے کے وقت کسی نے سوچا بھی نہ تھا کہ یہ درس گاہ اپنی عمارت اور ماحول کے لحاظ سے اتنی حسین ہوگی کہ یہاں سے پھر جانے کو دل نہیں چاہے گا۔ ایک کے بعد دوسرا ایم اے اور دوسرے کے بعد تیسرا، ہاں یاد آیا کہ ''وگدی ندی'' کے علاوہ کیفے ٹیریا کا بخشو بیرا بھی کئی کنگال من چلوں کا رازدان تھا۔ وہ اپنے گاہکوں کے پسندیدہ مہمانوں کا خاص خیال رکھنے کے علاوہ ان کے سامنے کچھ اسطرح ایکٹنگ کرتا کہ گاہک کی خاندانی امارت کی تصدیق ہو جاتی۔ وہ مشکل میں گرفتار گاہک کو اپنی جیب سے پیسے تک دے دیا کرتا تھا۔ اب تو سنا ہے کہ کیفے ٹیریا نہر سے ہٹ کر بس سٹاپ کا ہمسایہ بن گیا ہے۔ یہ بس سٹاپ ''تھیم ورکشاپ'' قسم کی چیز ہے۔ بسوں کا بدبودار

دھواں ہر جگہ دندناتا پھرتا ہے۔ ظاہر ہے ایسے ماحول میں کیفے ٹیریا کی چائے کا ذائقہ بھی بدل گیا ہوگا اور چائے کے ساتھ ساتھ ماحول اور دوستی بھی۔ اس زمانے میں نہر کے کنارے بیٹھے ہوئے دو انسانوں پر کوئی شک نہیں کرتا تھا اور اب نہر کے کنارے بیٹھنے سے پہلے ٹولیوں کی روزمرہ گفتگو کا عنوان بنتا پڑتا ہوگا۔ بات کہاں سے کہاں تک پہنچ گئی۔ لیکن کسی نے جہاں چار دن اچھی یادوں کے ساتھ گذارے ہوں، اسے وہ یادیں تنہائیمیں ضرور کبھی کبھی گدگدایا کرتی ہیں۔

ایک روز اسی نیو کیمپس نہر کے کنارے بیٹھ کر ہم نے فوج میں کمیشن کے لئے فارم بھرا۔ یہ زندگی کا اہم فیصلہ تھا جسے فیصلہ کن حیثیت دینے کیلئے انٹرویو، میڈیکل، کوہاٹ مارکہ آئی ایس ایس بی اور فائنل کال کیلئے انتظار کی گھڑیاں ایسے نازک لمحات سے گذرنا باقی تھا۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے، ہماری حالت فارم بھرنے کے بعد کچھ کچھ بدل گئی۔ شاید یہ فارم کسی فوجی پریس میں چھپا تھا۔ نہر کا پانی حسب معمول بہہ رہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ مجھے اس کا یہ رویہ پسند نہیں آیا۔ تین برس کی دوستی کے باوجود کوئی ہلچل نہیں۔ اسکا ایک دیرینہ دوستفوج میں جا رہا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ اس کیلئیہ نئی بات نہیں ہے۔ یہاں میں نے یہ عہد بھی کیا کہ فوج میں جانے کے فیصلے کو آخری کال آنے تک خفیہ رکھا جائے گا۔ وجہ یہ تھی کہ کئی ''اعلیٰ تعلیم یافتہ'' امیدوار جب کوہاٹ سے ناکام پلٹے، تو کچھ دوستوں نے انکی ڈگریوں پر شک و شبے کا اظہار کیا، کیونکہ اعلیٰ

ڈگریاں رکھنے والوں کو دوبارہ امتحان پاس کرنے کا مشورہ دیا کرتے تھے۔ تاہم یہ بات کسی کے علم میں نہ تھی کہ کوہاٹ کا امتحان ڈگری اور سرٹیفکیٹ سے مساوی سلوک کرتا ہے۔

کمیشن کا فارم پر کرنے کے بعد کا ذکر ہے کہ میں ایک روز کسی کام سے لاہور ریلوے سٹیشن گیا۔ پلیٹ فارم پر ایک نوجوان ہاروں کا انبار گلے میں ڈالے کھڑا تھا۔ اس کے اردگرد خواتین سمیت بیسیوں افراد کا ہجوم تھا۔ جو اشک بار آنکھوں سے مصروفِ گفتگو تھے، پتہ چلا کہ موصوف کوہاٹ جا رہے ہیں۔۔ یہ 1971ء کی جنگ کے لگ بھگ کا زمانہ تھا۔ ایسے واقعات عام دیکھنے میں آتے، لیکن نوجوان کا چہرہ مہرہ فوجی نہ تھا۔ مزید تحقیق کی، تو باکمال نوجوان کمیشن کے امیدوار نکلے۔ یہ صاحب انٹرویو اور میڈیکل پاس کرنے کے بعد کوہاٹ میں قسمت آزمائی کرنے جا رہے تھے۔ ''عجیب فضول بات ہے!! ابھی کمیشن کیلئے سب سے بڑا امتحان پاس کرنا باقی ہے اور سارے خاندان کو جمع کر لیا ہے۔ میں نے اپنے آپ سے کہا اور عہد کیا کہ اپنی ایسی ''مشہوری'' نہیں کروں گا۔ حد اس وقت ہوئی جب گاڑی نے سیٹی بجائی اور عورتوں نے چیخ و پکار شروع کر دی۔ ''پتر پترو ے''، ''واری صدقے'' کا شور بلند ہوا اور نوجوان فرسٹ کلاس کے پائیدان پر کھڑا یوں ہاتھ ہلا رہا تھا جیسے'' اب کے ہم بچھڑے تو شاید کبھی خوابوں میں ملیں'' قسم کے سفر پر جا رہا ہے۔

میں اس لحاظ سے بے حد مطمئن تھا کہ میرے سوا کسی کو علم نہیں ہے۔ اگر ہو گیا تو سبحان اللہ، ورنہ اللہ اللہ خیر سلا! دوسری طرف یہ کوشش بھی رکھی کہ کمیشن کے کامیاب یا ناکام امیدواروں سے ملاقات کی جائے تا کہ امتحانی پرچے کا حدود اربعہ اور ممتحن کا نصب العین دریافت ہو سکے۔ آج کل تو بازار میں کمیشن پر خاصی ''ریسرچ بکس'' دستیاب ہیں۔ لیکن عملاً انکی حیثیت بازاری عطائیوں کی ادویات سے مختلف نہیں۔ چند برس پہلے ان کتابوں کی بہتات نہیں تھی اور جو دستیاب ہوتیں، انکا مطالعہ امیدواران کمیشن الف سے بے تک کرتے۔ دراصل فارم بھرنے کے بعد کمیشن کا نشہ چڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔ اور امیدوار کامیابی کے لئے ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ اردو سکولوں کے پڑھے ہوئے انگریزی اخبار کا اداریہ رٹا کرتے اور انگریزی سکولوں کالجوں والے نماز معنی کے ساتھ یاد کیا کرتے تھے۔

پہلے انٹرویو کیلئے کال بہت جلد آ گئی۔ مقررہ تاریخ اور جگہ پر حاضر ہوئے، تو پاک فوج کے اعلیٰ افسر یاد فرما رہے تھے، ایسے واقعات بھی پیش آئے کہ استاد آؤٹ اور شاگرد کامیاب ہو گیا۔ انٹرویو، کمیشن کا سنسنی خیز مرحلہ ہے۔ یہاں عموماً دو مرتبہ جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اول، جب انٹرویو بورڈ کے کمرے میں داخل ہوں اور دوم، جب نتیجہ سنانے والا آپ کی کامیابی یا ناکامی کا سرِ عام اعلان کر رہا ہو۔ اگر آپ اس تجربے سے نہیں گذرے اور رونگٹے کھڑے ہوئے بغیر ہی پہلے انٹرویو

کی منزل سے صحیح سلامت نکل آئے ہیں تو اسکی دو وجوہ ہو سکتی ہیں۔ نمبر ایک یہ کہ آپ بہت زیادہ قابل ہیں، نمبر دو، شاید آپ کے حواس خمسہ پوری طرح کام نہیں کرتے۔ سردیوں میں چہرے پر پسینہ میں نے بھی دیکھا ہے، یہ اور بات ہے کہ کچھ لوگ اپنے چہرے کا پسینہ بڑی تیزی سے صاف کر لیتے ہیں، تاکہ انکے اندر کے بہادر انسان کی کپکپی کو دوسرے دیکھنے نہ پائیں۔

پہلا انٹرویو صبح سے دوپہر تک جاری رہا، ہر ایک کے چہرے پر امید اور خوف کا ملا جلا تاثر تھا۔ کچھ اپنے ''انکل'' اور ''کزن'' سے مسلح تھے جو وقفے وقفے کے بعد انہیں کولڈ ڈرنک یا چائے مہیا کرتے۔ سہ پہر کے قریب نتیجہ نکلا جس میں امیدواروں کا تناسب ہر سال انٹرمیڈیٹ کے سالانہ امتحان میں پاس ہونے والوں کے تناسب سے بھی کئی فیصد کم تھا اور جو کامیاب ہو گئے، ان میں سے اکثر کے کان بج رہے تھے۔ وہ ہر ایک سے تصدیق کراتے۔ ''بھئی میرا نام تم نے بھی سنا ہے؟'' اور اگر ساتھی نے کہہ دیا۔ ''سنا تو میں نے بھی ہے لیکن Sure نہیں۔'' تو صاحب سیدھے کلرک کے پاس بھاگتے جو بے چارا کئی دفعہ نتیجہ سنا کر تنگ آ چکا تھا۔

چند روز کے بعد میڈیکل کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہاں پاؤں کے ناخن سے لے کر سر کے بال تک سارے جسم کا تحریری اور زبانی معائنہ ہو رہا تھا۔ دھڑکتے دل کے ساتھ وزن کی مشین پر اپنی طرف سے پورا بوجھ ڈال کر کھڑے ہیں تاکہ وزن

پورا ہو جائے، لیکن مشین کی سوئی آگے نکلتی ہی نہیں۔ ایڑیوں کی مدد سے زور لگایا۔ وزن تولنے والے نے میری طرف دیکھا۔ آپ کا وزن کم ہے۔ جی؟ جی؟ وہ دراصل آج سحری کھائے بغیر روزہ رکھ لیا تھا۔ میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ ''اچھا'' کہہ کر وہ سوچنے لگا اور پھر دستخط کر کے کاغذ تھما دیا۔ رمضان المبارک کے طفیل پہلا دنیاوی فائدہ حاصل ہونے پر میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ سی ایم ایچ کے ساتھ مارکیٹ کے ہوٹل میں پردے کے پیچھے خاصی رونق تھی۔ کم وزن والے مسلسل ٹھوس غذائیں نگل رہے تھے۔ اشتیاق کا یہ عالم تھا کہ اگر ان کے بس میں ہوتا تو پتھر کھا لیتے تاکہ ایک ہی مرتبہ چار پانچ سیر وزن بڑھ جائے۔ وزن سے بچ نکلے، تو آنکھوں نے گھیر لیا، ''آپ عینک لگوائیں'' ڈاکٹر صاحب نے فیصلہ کن انداز میں حکم سنایا۔ ''یس سر'' کے علاوہ ذہن میں اور کوئی بات نہیں آتی۔ بھاگے بھاگے ایک پرائیویٹ کلینک میں گئے، عینک لیکر پلٹے، تو نظر کی کمزوری دور ہو گئی۔ تاہم ہماری جیب خاصی نحیف و نزار ہو چکی تھی۔

''یہ کیا عینک لگائی ہے۔!''

''انتہائی فضول فریم ہے۔''

''شکل سے ہونق نظر آتے ہو۔'' وغیرہ وغیرہ۔

دوستوں کے تبصرے جاری تھے۔ انہیں کون سمجھاتا کہ ''گوگو'' عینک لگا کر یونیورسٹی چہل قدمی تو ہو سکتی ہے، لیکن کسی فوجی ہسپتال سے بچ کر نکلنا دشوار ہے۔ مجھے میڈیکل

پاس کرنا تھا۔اوراس کیلیے عینک ہسپتال والوں کی پہلی شرط تھی جو میں نے فوراً پوری کردی۔اگلے روز دوبارہ آنکھیں ٹیسٹ ہوئیں۔مجھ ایسے کئی اور ''کم نظر'' بھی تھے۔ ایک امیدوار کی ''کم نظری'' میرے ہم پلہ تھی۔انہوں نے عینک کی درخواست کی اور کہنے لگے:''آپ اپنا کان اورناک دکھائیں،میں عینک لگا کر آنکھیں 'اوکے' کرالوں۔عینک واپس کردوں گا۔وہ عینک لے گئے۔میں اپنے کان اور ناک کے بارے میں فکر مند تھا۔وہ دن اور آج کا دن میری عینک تلاش گمشدہ کا اشتہار بن گئی۔بہرحال اس گمشدگی کا فائدہ یہ ہوا کہ وقتی طور پر میں عینک کا بوجھ اٹھانے سے بچ گیا۔ناک،کان اور منہ وغیرہ بھی درست نکلے۔میڈیکل چکر میں چند ناگفتنی مراحل بھی آئے۔دل نے ذرا اڑی کی،تو اسے یہ تسلی دی کہ ہم سے پہلے بھی بڑے بڑے لوگ اسی مرحلے سے گذرے ہیں۔ہم بلا چون وچرا ڈاکٹر صاحب کے کمرے میں گھس گئے اور معائنہ خصوصی کے بعد باہر نکل کر پتلون پہن لی۔

میڈیکل بورڈ کا نتیجہ بھی انٹرویو کے نتیجے سے مختلف نہ تھا۔اسکے بعد ہمیں صحت مند ہونے کا فوجی سرٹیفکیٹ مل گیا۔جس کے کئی فائدے تھے،سب سے بڑا فائدہ یہ کہ دوستوں اور ہم جماعتوں پر اپنی تندرستی اور تنومندی کا رعب ڈالا جاسکتا تھا۔بہرحال میڈیکل بورڈ زندگی کا ایک اچھوتا تجربہ تھا۔

آئی ایس ایس بی کا نام بہت سنا تھا لیکن اب پہلی مرتبہ اس سے دو دو ہاتھ کرنے کا

موقع ملنے والا تھا۔کمیشن حاصل کرنے کیلئے کوہاٹ میں سرخروئی ضروری تھی۔لہٰذا ہم نے بھی دوسروں کی طرح ڈنڈ بیٹھک لگانا شروع کردی۔زندگی کے روزمرہ کے معمول میں اچانک تبدیلی سب کیلئے حیران کن تھی۔والدین سعادت مندی پر نازاں تھے اور دوست محفلوں سے غیر حاضری پر نالاں۔کئی ایک نے ٹوہ لگانے کی کوشش کی۔لیکن ناکام رہے۔دراصل میں اس زمانے میں برسرِ روزگار تھا اور لاہور کے ایک روزنامہ میں فل ٹائم قلم چلایا کرتا تھا۔لہٰذا کسی کو یہ شک نہیں گذرا کہ اخبارنویس قسم کا نوجوان فوج میں چلاجائیگا۔ زیادہ دن نہں گذرے تھے کہ کوہاٹ کا بلاوا آگیا،دوسرے روز ایک لفافے میں کوہاٹ کے کسی ہوٹل کا اشتہار ملا اور ساتھ ہی یہ لکھا تھا کہ اگر اپنا کمیشن یقینی بنانا ہے تو ہمارے ہوٹل میں قیام کیجئے۔فیس،کرایہ،روٹی وغیرہ ایک صد روپیہ۔میں نے اسی ہوٹل میں ٹھہرنے کا ارادہ کرلیا۔

لاہور سے چلے ،تو فضا خوشگوار تھی۔لیکن راولپنڈی پہنچتے پہنچتے بلیک آؤٹ اور سائرن معمول بن گئی۔مغربی محاذ پر جنگ شروع ہوچکی تھی۔راولپنڈی سے کوہاٹ کی بس لی،تو ڈرائیور نے لائٹ آف کرکے بلیک آؤٹ کی پابندی کا اعلان کردیا اور گھپ اندھیرے میں چالیس میل فی گھنٹہ سے اوپر بس دوڑانی شروع کردی، راستے میں دوتین اور نوجوان مل گئے جو کراچی سے آئے تھے۔جنگ، بلیک آؤٹ اور سردی نے کمیشن کو ثانوی حیثیت دیدی۔دس گیارہ بجے رات کوہاٹ پہنچے۔وہاں کے تانگے

والوں کا سلوک بھی لاہور ریلوے سٹیشن کے باہر کھڑے تانگے والوں سے مختلف نہیں تھا۔ کوہاٹ اترتے ہی ہم سمجھے کہ آئی ایس ایس بی شروع ہو گیا۔ ذہن میں لاشعوری طور پر خیال پیوست تھا کہ ہر طرف سلیکشن بورڈ والے پھر رہے ہیں۔ لہٰذا ہم تانگے والے سے بھی انتہائی مہذب لہجے میں بات کرتے رہے۔ کوشش یہ تھی کہ اسے یہ تاثر ضرور مل جائے کہ ہم انگریزی جانتے ہیں۔ نصف شب کے قریب تانگے والے نے ایک بڑے سے گیٹ کے سامنے اتار دیا۔ یہاں تمہارا امتحان ہو گا۔ یہ کہہ کر وہ چل دیا۔

سامان اتار کر ہم ممتحن کو تلاش کرنے لگے، لیکن وہاں سائرن اور جانوروں کی چیخ و پکار کے سوا کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ گیٹ پر "ہے کوئی؟" کی صدا لگائی۔ ایک چوکیدار نما شخص برآمد ہوا۔ ہاتھ میں موٹا ڈنڈا اور بات کرنے کا انداز ڈنڈے کی ضرب سے زیادہ کرخت۔ ہم نے اپنا مدعا بیان کیا۔ چوکیدار نے اطلاع دی کہ "اس وقت گیٹ کھل نہیں سکتا۔ صبح آنا، تم بہت لیٹ ہے۔" ہم نے عرض کی کہ گیٹ تو کھلا ہوا ہے، ہمیں کہیں اندر برآمدے میں جگہ دیدو، کم از کم سردی کی رات تو آرام سے گزار لیں۔ پھر یہ شک کہ شاید یہ چکر بھی آئی ایس ایس بی کا حصہ نہ ہو، ہمیں مزید پریشان کرنے لگا۔ خوش قسمتی سے ایک ہم سفر دوسری مرتبہ کوہاٹ تشریف لائے تھے۔ انہوں نے تسلی دی کہ آئی ایس ایس بی میں ایسی باتیں چیک نہیں ہوتیں۔ بس آپ اطمینان رکھیں، یہ دروازہ ضرور کھولے گا۔

سائرن برابر بج رہے تھے۔ ہم نے چوکیدار سے کہا: ''قریب کسی خندق کا راستہ بتاؤ، ہم رات وہیں سو لے گا۔'' جواب حسبِ معمول منفی تھا۔ وقت بہت تیزی سے گذر رہا تھا۔ سارے دن کا سفر اور پھر آئی ایس ایس بی کا خوف، ہم ان دونوں سے چھٹکارا چاہتے تھے۔ لہٰذا یہ تجویز ذہن میں آئی کہ گیٹ کے سامنے ہی بستر لگا لیں۔ صبح گیٹ کھلے گا تو اندر چلے جائیں گے۔ چوکیدار نے سڑک پر بستر کھلتے دیکھے تو گیٹ کو تالا لگانے کا ارادہ ترک کر دیا اور سمجھانے لگا کہ ہوائی حملے کا خطرہ ہے، کسی ہوٹل میں چلے جاؤ، اس کے لہجے میں نرمی تھی۔ ہمارے لئے آئی ایس ایس بی کے گیٹ کا چوکیدار معمولی شخصیت نہ تھا۔ ''ہوٹل کا راستہ معلوم نہیں ہے۔ آپ کچھ کریں۔'' ہمارا مشترکہ جواب سن کر چوکیدار بلڈنگ کے اندر چلا گیا۔ چند منٹ کے بعد گیٹ کھل گیا اور ہم آئی ایس ایس بی میں داخل ہو گئے۔

ایک لمبی بیرک میں چارپائیاں بچھی تھیں اور بلب کی مدھم روشنی خالی چارپائی تلاش کرنے میں مدد دے رہی تھی۔ تین چار نوجوانوں کو جگانے کے بعد خالی جگہ مل گئی اور ہم چارپائیوں پر دراز ہو گئے۔ صبح آنکھ کھلی، تو دیکھا کہ یہ بیرک ایک ننھا منا بند گراؤنڈ ہے جہاں اچھل کود اور ڈنڈ بیٹھک لگانے کے سائنسی آلات نصب تھے۔ نہانے دھونے اور ناشتے کے چکر میں نو بج گئے۔ سب امیدوار ایک ہال کمرے میں جمع ہو گئے جہاں انہیں نمبر الاٹ کئے جا رہے تھے۔ خدا معلوم گذشتہ روز کے لنچ

اور ڈنر کی غیر حاضری یا صبح کے مختصر ناشتے کا قصور تھا کہ ہمیں اپنا نام سنائی نہ دیا۔ آخر میں طلبی ہوئی، معمولی ڈانٹ ڈپٹ سے کام نکل گیا اور ہم آئی ایس ایس بی کا عطا کردہ نمبر سینے پر چسپاں کئے امتحانات کی تھوک منڈی میں گھس گئے جہاں ہر قسم کا بیوپار ہو رہا تھا۔ سب سے پہلی دکان سکریننگ ٹیسٹ کی تھی، نصف سے زیادہ امیدوار یہیں سے پلٹ گئے۔ باقی جو رہ گئے، وہ آخر تک مصروف کار رہے۔

آخری روز نتیجہ نکلا۔ بورڈ کے ایک اعلیٰ رکن ہر امیدوار کو بلاتے اور باری باری نتیجے سے آگاہ کرتے۔ کامیاب امیدوار مبارک باد اور ناکام حوصلہ و ہمت کے رسمی الفاظ وصول کر رہے تھے۔ میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ مبارکباد پائی۔ پہلے یقین نہیں آیا، جب سرکاری کاغذ دیکھا تو واقعی پاس تھا۔ اس موقع پر مسرت کے بے پناہ جذبات کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ کامیاب امیدواروں نے ضروری فارم پر کئے۔ جنگ کا زمانہ تھا۔ ہر بات میں تیزی اور جنگی کیفیت نمایاں تھی، دو دن کا کام ایک روز میں چکانے کا رجحان عام تھا۔ اگلے روز شام ڈھلے لاہور پہنچے۔ گھر جانے سے پہلے مٹھائی کا ڈبہ خریدا۔

ایک ڈیڑھ ہفتے بعد فائنل سلیکشن کی کال آئی۔ اب عزیزوں اور دوستوں کی حیرانی کا عالم دیکھنے کے قابل تھا۔ وہ بار بار پوچھتے۔

"بھئی! انٹرویو پاس کر لیا ہے؟"

"میڈیکل میں بھی ہو گئے؟"

میرا جواب اثبات میں سن کر وہ مزید حیران ہوتے۔ ملٹری اکیڈمی جانے کی تاریخ نزدیک آ رہی تھی اور میں نیکر اور بنیان جمع کرنے میں مصروف تھا، روزانہ رات کو اکیڈمی کے سہانے خواب آتے اور ایک روز اپنے خوابوں کی تعبیر دیکھنے کیلئے میں بذریعہ گاڑی کاکول کیلئے روانہ ہو گیا۔

السلام علیکم سر!

حویلیاں ریلوے سٹیشن کی ناہموار سیڑھیوں پر دس بارہ نوجوان خاموش کھڑے تھے۔انہیں صبح کے سورج کے ساتھ ساتھ پی ایم اے کاکول کی ٹرانسپورٹ کا بھی انتظار تھا۔ یہ نوجوان، کیڈٹ کا روپ دھانے کیلئے پاکستان کے مختلف شہروں اور قصبوں آئے تھے۔حویلیاں ایک چھوٹا سا قصبہ ہے،لیکن ریلوے سٹیشن اورکاکولا کیڈمی سے مواصلاتی اورجذباتی مناسبت کی وجہ سے خاصا مشہور ہے۔ یہ آرمی میں کمیشن کے

شائقین اور متاثرین کے سفر کا نقطہ آغاز بھی ہے۔ میں بھی ان دس بارہ نوجوانوں کی طرح حویلیاں میں نو وارد تھا اور پانے ایک سفری دوست کے ساتھ چائے خانے کی انگیٹھی سے لگ کر کھڑا تھا۔ کچھ نوجوان شیو بنوانے کیلئے بازار گئے جہاں ابھی صرف حجام کی دکان کے دروازے کھلے تھے۔ انگیٹھی کی آگ خاصی گرم تھی۔ ادھر چائے والا بار بار ٹکپے پٹخ رہا تھا۔ شاید وہ ہماری مفت خوری پر نالاں تھا۔ ہم نے فوراً چائے کا آرڈر دیا اور چائے والے نیلکڑی کے دو بڑے بڑے پکڑے چولہے میں ڈال دیئے۔ آگ اور تیز ہوگئی۔ میرے ہم سفر کو یہ غم کھائے جارہا تھا کہ پی ایم اے کی ٹرانسپورٹ ابھی تک کیوں نہیں آئی؟ اکثر یوں ہوا کہ جونہی اعلیٰ قسم کے ہارن کی آواز آتی، وہ انگیٹھی چھوڑ کر باہر بھاگتے۔ مگر واپسی پر ان کا چہرہ اترا ہوا ہوتا۔ میں نے انہیں اطمینا دلایا کہ اگر کچھ دیر کے بعد بس نہ آئی، تو خود پی ایم اے چلے جائیں گے۔ شام چار بجے تک رپورٹ کرنی ہے۔ ابھی سردیوں کی صبح کے چھ بجے ہیں۔ کم اکم بلدیہ کے نلکوں میں پانی تو آنے دو، لیکن بے صبری کو قرار کہاں! ادھر دسمبر کی بپھری ہوئی سردی نے چائے خانے کے ہجوم میں اضافہ کردیا۔ چائے کے ساتھ سگریٹوں کا آوارہ دھواں بھی ذائقہ دار تھا، انتظار میں پانچ سات سگریٹ فی گھنٹہ پھونک دینا معمول بات ہے۔ یہ معمولی بات اس روز سب کا معمول تھی۔ کچھ پرہیزگار بھی دوسروں کے مال پر اپنا غم غلط کررہے تھے۔

حویلیاں ریلوے سٹیشن کے اس چائے خانے پر نامعلوم کتنے کیڈٹوں نےچائے پی ہوگی۔ ان کی رائے کیا ہے، یہ مجھے معلوم نہیں۔ تاہم چائے خوب مزے دار تھی، یہ سخت سردی کا کمال تھا یا چائے بنانے کا انداز کہ اس روز ہر ایک نے کئی کئی کپ لنڈھائے، کیک، پیسٹری اور بن مکھن کے ہمراہ گپ بھی وافر موجود تھی۔ ہر ایک اپنی اپنی ہانک رہا تھا۔ اہم ترین موضوع پی ایم اے میں آئندہ بسر ہونے والے بے شمار مہینے تھے۔ کسی نے کہا: ”وہاں سینئر پانی کے تالاب میں غوطے دیتے ہیں۔ ایک صاحب اپنے ماموں زاد بھائی کے حوالے سے یہ خبر لائے۔ اکثر کیڈٹ کو سڑک پر سر کے بل قلابازی لانی پڑتی ہے۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ ہم دس بارہ تو تھے ہی، ظاہر ہے کہ ہر ایک نے ایک آدھ نئی بات ضرور سنائی ہوگی۔ خیر یہ گپ شپ اس لحاظ سے فائدہ مند رہی کہ اچھا خاصا وقت گذر گیا۔

”اخبار پڑھئے“۔ تازہ اخبار“ سٹیشن پر ہاکر نے شور مچادیا۔ سب نے ایک اخبار لیا۔ ایک نہیں، بلکہ ہر ایک نے ایک ہی اخبار خریدا۔ یعنی انگریزی کا اخبار۔ نجانے یہ افواہ کس نے پھیلادی تھی کہ پی ایم اے اور انگریزی لازم وملزوم ہین۔ اخبار سب غور سے پڑھ رہے تھے۔ شاید وہ اس خبر کو تلاش کر رہے تھے جو کسی اخبار میں نہیں تھی، لیکن ان کیلئے بہت بڑی خبر تھی۔ خوشی ومسرت سے لبریز خبر کہ ”فوج میں کمیشن مل گیا۔“ واقعی یہ اطلاع ہماری زندگی کے اخبار کی شہ سرخی تھی، جسے ہم ہی پڑھ سکتے

تھے۔

اخبار کا مطالعہ ابھی جاری تھا کہ ایک چاق و چوبند فوجی جوان پر نظر پڑی جس کے ایک بازو پر "reception" (استقبالیہ) کا بیج لگا ہوا تھا۔ دوسرے بازو کے کندھے اور ٹہنی کے مابین چند "فیتیاں" تھیں۔ "وہ آگئے!" کوئی زور سے بولا اور سب نے چائے خانے سے باہر کی راہ لی۔ جلدی جلدی چائے کا بل ادا کیا۔ شاید پیسے زیادہ نکل گئے، اب بقایا کا کسے ہوش تھا! پی ایم اے والے آچکے تھے۔ کچھ نوجوانوں کیحالت ایسے فلم بین سے مختلف نہ تھی جو سینما کیٹکٹ کھڑکی اس فکر میں بقایا وصول کیئے بغیر چھوڑ دیتا ہے، کہ کہیں سینما ہال میں نشستیں پر نہ ہو جائیں۔ ہم جلد از جلد پی ایم اے کے نمائندہ کے پاس جمع ہو گئے۔ وہ ہمیں بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

"کیڈٹ ایک لائن میں کھڑے ہو جاؤ۔" وہ اچانک گرجا اور ہم ایکدوسرے کا منہ تکنے لگے۔ ابھی "ہو جاؤ" کا زخم ہرا تھا کہ ایک نیا حکم صادر ہوا۔ "تمام لوگ اپنا سامان لیکر باہر گاڑی کے پاس پہنچ اؤ۔" سب نیادھر ادھر دیکھا، قلی ندارد۔ ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی اپنا اپنا سامان اٹھایا اور پی ایم اے کی بس کے قریب جمع کرنے لگے۔ کئی دوستوں کو دو تین پھیرے کرنے پڑے۔ بار بار سیڑھیاں اترنا چڑھنا، سردیوں کا بستر بند اٹھانا، چلتے چلتے سامان کا گرنا اور دور سے فوجی کی آواز۔ "جلدی کرو۔ یہ چھوٹا سا بستر نہیں اٹھایا جاتا۔" کئی دانت پیس رہے تھے اور کچھ کے دانت خود بخود بج رہے

تھے۔ سامان جمع ہوگیا، تو آواز آئی: ''یہ کیا طریقہ ہے؟ ایک قطار میں رکھو۔'' ایک دوست کو ہر حکم کے آخر میں ''و'' کے کثیر استعمال پر کچھ شک گذرا۔ دیکھنے لگے ہے کوئی خدا کا بندہ جو اس سے پوچھے کہ وہ ہمیں کیا سمجھ رہا ہے؟ اکیڈمی میں بلاوے کے فارم میں لکھا تھا کہ حویلیاں سٹیشن پر استقبال کا انتظام ہے۔ یہ صاحب شاید کسی اور پارٹی سے اس سلوک اور استقبال پر متعین ہوں۔ ایک کیا، سب ہی چہ میگوئیاں کر رہے تھے کہ دال میں ضرور کچھ کالا ہے، آخر ہم نے کمیشن لیا تھا، اپنا کوئی مذاق تو نہیں بنوایا تھا۔ ہزاروں میں سے چند کا انتخاب ہوا ہے۔ یہ خیال بار بار استقبالیہ کے ذمہ دار حضرات کی بلند و بالا آواز سے منتشر ہو جاتا۔ ''یہ کرو، دیر مت کرو۔'' یوں کام نہیں چلے گا۔ ہوش اس وقت آیا جب ہم اپنا سامان بس کی چھت پر منتقل کر کے آرام دہ نشستوں میں دھنس چکے تھے۔ بس چلی، تو ایک دوسرے کو یوں دیکھ رہے تھے جیسے درخواست کر رہے ہوں کہ بھائی! کسی سے ذکر نہ کرنا کہ پی ایم اے کا بلاوا آنے کے بعد ہم نے اپنا سامان سٹیشن پر خود اتارا، لادا اور پھر بس کی چھت پر چڑھا رکھا تھا۔

بس کی نشستیں اور اندرونی ماحول افسرانہ تھا۔ مثلاً اس کے طرف رنگدار پردے تھے جنہیں ہم بار بار سرکاتے رہے، حد نگاہ تک بلند و بالا پہاڑ، سرسبز گاؤں اور بل کھاتے ہوئے ندی نالے تھے۔ یہ ایبٹ آباد تھا۔ ایک خوبصورت شہر اور صحت افزا مقام۔ میں اسے پہلی بار صبح کی تازہ ہوا کے جھونکے کیساتھ دیکھ رہا تھا۔ دور تک ایک

جسطرح کے درختوں کے جھنڈ میں ابھرے ہوئے مکان تھے، یکا یکبازار آ گیا۔ بس نے رفتار دھیمی کی، دو تین موڑ کاٹے، میری نگاہ ایک بورڈ پر جم گئی۔ جس پر موٹے موٹے حروف میں پی ایم اے لکھا تھا۔ اسکے ساتھ تیر کا نشان منزل کی طرف رہنمائی کر رہا تھا۔ بس کی رفتار تیز ہو گئی۔ صبح کا وقت تھا۔ سڑک پر رش زیادہ نہیں تھا۔ مکانات کا سلسلہ ختم ہوا، تو ایک بڑی سی گراؤنڈ نظر آئی۔ ''وہ سامنے پی ایم اے۔'' ''وہ دیکھو بڑا سا گیٹ''۔ سب دائیں بائیں دیکھ رہے تھے۔ ''ہاں ہاں، یہی ہے۔'' کسی نے تائید کی۔ چند لمحوں کے بعد بس نے سیاہ پھاٹک عبور کیا، موڑ کاٹا اور ایک بلڈنگ کے سامنے رک گئی۔ میں نے مفلر کو جھٹکا دے کر گلے کے گرد اچھی طرح لپیٹ لیا۔ باہر تیز ہوا چل رہی تھی۔ پہلے استقبال کرنے والے محترم اترے۔ باہر سے ہمیں اترنے کا اشارہ ملا اور ساتھ ہی ہم قطار میں کھڑے ہو گئے۔ بیل باٹم پتلون کا پائنچوں کی طرح بڑھے ہوئے بال جنہوں نے قمیص کے کالر کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ بڑی بے نیازی سے اتر رہے تھے۔ ''اپنے کاغذ ا نکال کر رکھو۔'' ''و'' کا کثیر استعمال جاری تھا۔ ہم خاموش کھڑے تھے۔ اردگرد کا منظر ہماری سمجھ سے بالا تھا۔ سامنے ایک کالی گراؤنڈ نظر آئی۔ میں کافی دیر تک سوچتا رہا کہ اس گراؤنڈ کا طریقہ استعمال کیا ہوگا۔ ذہن میں کئی خیال آئے۔ شاید باقی نووارد بھی اسی انداز میں سوچ رہے تھے۔ ان کے چہروں پر خوشی اور اضطراب کی ملی جلی کیفیت نمایاں تھی۔ بعد ازاں پوری قطار کو ایک ہال

کمرے میں لے جایا گیا جہاں پاک فوج کیا فسر دیدہ زیب وردیوں میں ملبوس ہمیں خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ ہم نے کاغات جمع کرائے۔ پی ایم اے نمبر اور کمپنی الاٹ ہوئی۔ اب ہم جنٹلمین کیڈٹ بن چکے تھے۔ میں نے مفلر کو ایک بار پھر جھٹکا دیا۔ وہ بار بار کھل رہا تھا۔ جیسے پریشان ہو۔ کمرے سے باہر نکلے، تو دیکھا کہ کچھ آدمی سامان اٹھائے ہمارے منتظر ہیں۔ ان کے ذمے ہمارا سامان کمروں تک پہنچانا تھا۔ میں ابھی بلڈنگ کے برآمدے میں چل رہا تھا کہ ایک رعب دار آواز آئی۔ ''come here {{{{''، میں سیدھا پہنچا۔ ایک نوجوان کرسی پر براجمان مسکرا رہا تھا۔ میں نے جوابا مسکراہٹ کے ساتھ ہاتھ بڑھایا۔ السلام علیکم!

''ذرا دیکھ کر جان! سینئر بہت زیادہ ہیں۔'' انہوں نے نصیحت کی۔ میں شکریہ کہہ کر نیچے اتر آیا۔ مجھے ٹیپو کمپنی میں پہنچنا تھا۔ بلڈنگ کی سیڑھیاں اترنے کے بعد پکی سڑک آ گئی، یہ ایک خوبصورت سڑک تھی جس کے دونوں طرف حد نگاہ تک گھنے درخت اور قریبی کیاریوں میں پھول دار پودے بڑے حسین لگ رہے تھے۔ میں کھڑا ہو گیا اور پانی نظری کی عینک صاف کرنے لگا تاکہ اچھی طرح نظارہ کر سکوں۔ میرا سامان لے کر جانے والا شخص جو اس وقت میرا گائیڈ بھی تھا۔ دو تین قدم چل کر رک گیا۔ صاحب! یہ کیا کر رہے ہیں؟ یہ پی ایم اے روڈ ہے، ابھی کوئی دیکھ لے گا۔ وہ بولا، میرے لئے یہ اطلاع حیران کن تھی۔ ''کون دیکھ لے گا؟'' میں نے بے تابی سے

پوچھا۔ وہ مسکرانے لگا۔ گھبراؤ نہیں بادشاہو! ابھی پتہ چل جاتا ہے۔'' پتہ چل جاتا ہے، میں جملوں پر غور کر ہی رہا تھا کہ سامنے سے تین چار کیڈٹ نظر آئے، نیلے کوٹ اور ان کی جیب پر پی ایم اے کا سرخ طغرئ، صحت مند چہرے، مسکراتی آنکھیں۔ میں نے سوچا کہ ان سے دوستی کر لیں۔ آخر پرایا دیس ہے۔ ذرا معلوم تو کریں کہ یہاں ہوتا کیا ہے؟ میں اپنی مختصر زندگی کی تمام تر تعلیم اور تجربے کو ہمراہ لئے بہت اعتماد کیساتھ آگے بڑھا۔ وہ بھی میری طرف آ رہے تھے۔ ہنستے، قہقہے لگاتے ہوئے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ بس اب تمام مسائل حل ہیں۔ میں نے مفلر گلے سے اتارا، اسے زور سے جھٹکا دیا اور پھر لپیٹ لیا۔ سرد ہوا برابر چل رہی تھی۔ وہ میرے قریب آ گئے۔ ان کے چہروں سے مسکراہٹ، ہنسی اور قہقہے رخصت ہو چکے تھے، ان کی جگہ بے پناہ سنجیدگی اور خاموش غصے نے لے لی، اخلاقی روایت کے مطابق میں پہلے مسکرایا اور پھر اپنے دونوں ہاتھ برائے مصافحہ آگے کر دیئے۔ ہاتھ چند سیکنڈ ہوا میں معلق رہے۔ ادھر سے ہاتھ ندارد۔ میں نے ہاتھ دوبارہ جیب میں ڈال لئے اور بات کی ابتداء یوں کی: السلام علیکم! موسم بڑا خوشگوار ہے، آپ کیسے ہیں؟ جواب میں طویل خاموشی۔ تاہم ان کی آنکھیں جو مبلغ آٹھ عدد تھیں، میرا تعاقب کر رہی تھیں۔ ایک خوش پوش کیڈٹ پوری قوت سے بولا:

''یو______یو (you) گیٹ ڈاؤن (Get Down) یو______ سٹارٹ فرنٹ رول۔''

(نوٹ: خالی جگہ اکیڈمی کے سابق کیڈٹ پر کر سکتے ہیں۔)

گھبراہٹ کے عالم میں نیچے دیکھا، تو پکی سڑک۔ پھر اپنے آپ کو دیکھا اکلوتا گرم سوٹ ایک قسم کے "رول" Role سے واقفیت تھی اور کریم رول Cream Role ہی تھا۔ میں سمجھا کہ فرنٹ رول بھی کریم رول کا دور و نزدیک کا رشتہ دار ہی ہوگا!

میرے دوست کیڈٹ پہلے سے ادا شدہ فقرے دہرا رہے تھے۔ البتہ میری آسانی کے لئے انہوں نے ترمیم کی اور "گیٹ ڈاؤن" کی جگہ "سٹ ڈاؤن" کی ادائیگی فرمانے لگے۔ یہ تبدیلی پریشان کن تھی۔ ان کا دائرہ میرے گرد مزید تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے پریشانی کے عالم میں سامان والے کی طرف دیکھا۔ وہ غائب تھا۔ ہائے میرا سامان! میرے منہ سے بے اختیار نکلا:

"واٹ سامان ____ یو ____ سٹ ڈاؤن۔"

میں دل ہی دل میں خود کو کوسنے لگا۔ دور دور تک کوئی آدم زاد نظر نہیں آتا تھا۔ کاش سامان والے کی ہدایت پر عمل کیا جاتا! میں نے ہاتھ کے اشارے سے اعلان کیا کہ بیٹھتا ہوں اور سڑک کے ایک طرف کھسک کر پہلے مفلر اتارا، پھر کوٹ اتارنے لگا تاکہ سڑک پر بیٹھنے سے یہ میلا نہ ہو جائے۔ یہ حرکت دیکھ کر شدت سے للکارے اور ان کا انداز کچھ ایسا خوفناک تھا کہ خود بخود سڑک پر بیٹھ گیا۔ وہ مسکرانے لگے۔

"گڈ ____ ناؤ سٹارٹ فرنٹ رول۔"

میں اس ترکیب سے قطعی بے خبر تھا، آخر یہ کیا بلا ہے؟ کوئی بیماری ہے؟ یا کھانے پینے کی کسی چیز کا نام ہے؟ میں نے نفی میں سر ہلایا۔ اب وہ کہنے لگے، اپنا سر زمین پر رکھو۔ 'کیوں' کا سوال ہی نہیں تھا۔ سر رکھا، تو معلوم ہوا کہ ایک دوست نے دونوں ٹانگیں پکڑ کر ہوا میں بلند کر دی ہیں۔ اب ہم غیر فطری انداز میں کھڑے تھے، کوٹ کی جیب سے سکے گرنے لگے۔ انہوں نے اچانک ٹانگیں چھوڑ دیں۔ وہ درخت کے ٹوٹے ہوئے تنے کی طرح پہلے ڈگمگائیں اور پھر مخالف سمت میں زمین کو چھو لیا۔

''دس از فرنٹ رول۔''

(یہ فرنٹ رول ہے۔)

''رائٹ سر! دس از فرنٹ رول۔''

(اچھا سر! یہ فرنٹ رول ہے۔)

انہوں نے ایک دوسرے کی تائید کی۔ میں زمین پر لیٹا دوسرے حکم کا منتظر تھا۔

''ناؤ، گیٹ اپ۔''

(اب کھڑے ہو جاؤ۔)

کھڑے ہوتے ہی کپڑے جھاڑے، کوٹ کی کہنیوں سے مٹی گھی کی مٹھائی کیطرح چمٹ گئی تھی۔ حکم ملا۔ آف!'' (چلے جاؤ) میں نے رہائی پاتے ہی ہاتھ اٹھا کر یوں سلام کیا جیسے مشاعروں میں شاعر داد وصول کرتے ہیں، سلام کا صلہ یہ ملا کہ دوبارہ طلبی

ہوگئی۔ یہ کون سا طریقہ ہے؟ کیڈٹ اس طرح سلام نہیں کرتے۔اس مرتب ہلہجہ نسبتاً نرم تھا۔

''کہو، السلام علیکم سر۔!''

''السلام علیکم سر!'' مور لاوڈلی (more loudly)'' (اور اونچا)۔

''السلام علیکم سر!''

''سے ہنڈرڈ ٹائم'' (ایک سو مرتبہ کہو۔)

اسموقع پر مجھے اپنا پرائمری سکول بہت یاد آیا جہاں دو کی مہارنی رٹائی جاتی تھی اور ہم کورس کی شکل میں یاد کیا کرتے تھے۔ ''السلام علیکم سر!'' کے ذریعے اپنا گلا صاف کر رہا تھا۔ بعدازاں معلوم ہوا کہ یہ داستان صرف میری ہی نہیں، بلکہ ان سب کی تھی جو میرے ساتھ حویلیاں پر اپنا سامان اٹھاتے ہوئے دانت پیس رہے تھے۔ سو مرتبہ ''السلام علیکم سر!'' کہنے کے بعد چھٹی ملی، اب میں ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھ رہا تھا۔ سڑک کے ساتھ ہی ایک چھوٹا سا چائے خانہ تھا۔ ''یہ ایک اچھی پناہ گاہ ہے'' ۔ذہن میں خیال آتے ہی میں اس طرف لپکا، تو اک عجب منظر نظر آیا۔ گائیڈ جس کے پاس میرا سامان بھی تھا، بہت مزے سے ایک بنچ پر بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا، مجھے دیکھتے ہی بولا: صاحب! فارغ ہوگئے؟ آیئے اب چلیں۔'' میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ مجھ پر قیامت گذر گئی تھی اور اسکے لئے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

پی ایم اے پہنچنے کے ایک گھنٹے بعد ہی یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ کمیشن کسی سستی چیز کا نام نہیں ہے اور اکیڈمی میں بسر ہونے والا ہر لمحہ بڑی بھارت قیمت مانگتا ہے۔ بات اگر نقد لین دین کی ہوتی تو شاید ہمارے کئی رئیس دوست بچ نکلتے مگر معاملے آمنے سامنے والا تھا۔ پہلے روز تو واقعی قیامت کی ریہرسل تھی۔ چاروں طرف نفسا نفسی کا عالم ہے پرانے دوست ایک دوسرے سے آنکھیں چرا رہے ہیں اور اگر دوستوں میں سنیئر اور جونیئر کا امتیاز دریافت ہوگیا تو پھر جونیئر دوستی کی قربان گاہ پر بغیر پھندے کی پھانسی پر لٹکتا رہتا۔ پی ایم اے روڈ سے نکل کر باغیچی میں پہنچتے ہی میں نے سب سے پہلے سامان کی پڑتال کی۔ وہ صحیح سلامت تھا۔ سامان اٹھانے والا جو اس وقت رضاکارانہ طور پر گائیڈ کے فرائض بھی سرانجام دے رہا تھا۔ کہنے لگا: صاحب! سامان کا فکر مت کرو، وہ آپ کے پاس پہنچ جائے گا، اپنا فکر کرو۔" مجھے پی ایم اے روڈ پر پیش آنے والی واردات یاد تھی۔ چاروں طرف کمیشن کے شائقین کے ستارے گردش میں نظر آئے آخر کار کمر ہمت باندھنی پڑی، کیونکہ سامان اٹھانے والے کا سگریٹ ختم ہوگیا تھا۔ وہ خود بخود آگے چلنے لگا میں آفات و جنات سے محفوظ رکھنے والی جملہ دعائیں پڑھتا رہا۔ دل پہلو میں اچھل رہا تھا۔ ابھی چند قدم ہی چلے تھے کہ اپنے شہر کے ایک پرانے دوست مل گئے۔ یہ شہر کی سب سے زیادہ فیشن ایبل بستی کے مکین تھے۔ ان کے ہونڈا موٹر سائیکل کا موسیقار ہارن ساری یونیورسٹی میں مشہور تھا اور میں

انہیں ہارن کی وساطت ہی سے جانتا تھا۔ خیر، نظریں چار ہوئیں، تو وہ بھاگے آئے۔ ”یار! تم بھی آئے ہو! میری سمجھ نہیں آرہا ہے، میرا سامان والا لاپتہ ہو گیا ہے، مجھے ٹیپو کمپنی میں جانا تھا۔ وہ بے تکان بولتے گئے اور ساتھ ہی ساتھ معانقہ بھی کرلیا۔ ہم دونوں معانقے کے بعد مصافحہ کررہے تھے کہ ایک طرف سے دو تین آوازیں آئیں! دونوں ادھر آجاؤ“ دونوں چل پڑے۔ آواز آئی۔ بھاگ کر آؤ۔ پہنچتے ہی نعرہ بلند کیا: السلام علیکم سر!

”آپس میں گلے کیوں مل رہے تھے؟ کیا عید پڑھنے آئے ہو؟“ اور اسکے بعد طویل فرد الزامات۔ ہم دونوں سرِ تسلیم خم کیئے کھڑے تھے۔ سزا کا حکم ہونے والا ہی تھا کہ اچانک ایک صاحب نے انکشاف کیا کہ ہم دونوں کو کھڑا ہونا نہیں آتا۔ یہ اطلاع پریشان کن تھی، میں نے ہلے جلے بغیر ہی اندازہ لگایا کہ کیسے کھڑا ہوں۔ میرے حواس خمسہ پوری طرح چالو تھے۔ بعدازاں معلوم ہوا کہ مٹھیاں کھلی تھیں۔ دونوں ایڑیوں میں ایک فٹ کا فاصلہ تھا۔ گلے میں مفلر، کوٹ کے کھلے بٹن چوری کے ساتھ سینہ زوری پر دلالت کرتے ہیں۔ الزام سنگین سے سنگین تر ہو گیا۔ سزا تھوتھا کڑے کی ملی، یعنی پچیس تیس گز کے فاصلے پر واقع درخت کو ہاتھ لگاؤ اور پھر واپس رپورٹ کرو، ہم دونوں خوشی خوشی گئے، ہاتھ لگایا اور واپس آگئے، حکم ملا: Again اور یہ دوبارہ، دوبارہ

بلکہ ہر بار ایک بارہ کا اضافہ ہوتا رہا۔ یاد نہیں کتنے بارہ گذر گئے۔ حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ اپنے ''بارے'' یاد رکھنے کی بجائے تارے دن کے وقت گنتی کرنے پڑے۔ دسمبر کی ٹھٹھرتی سردی میں پہلی مرتبہ پسینہ بہہ نکلا۔ کچھ دیر بعد ہم ایسے تین نووارد وہاں آ نکلے۔ ان کی آمد ہماری رہائی کا پیام لائی۔۔ حکم ملا ____ آف۔ ہم بھاگ نکلے، بھاگتے بھاگتے پسینہ پونچھا۔ معلوم نہیں، یہ درخت کس نے لگا دیا؟ میں نے اپنے پرانے دوست سے پوچھا۔ ان کی ناراض نگاہیں جن میں اب گھورنے کی سکت نہیں تھی، برابر میرا تعاقب کر رہی تھیں۔ ''یار! کم از کم میں ایسا نہیں کر سکتا'' انہوں نے بہت مشکل سے جواب دیا اور ایک پتھر پر بیٹھ گئے۔ ''کسی ڈاکٹر کو بلاؤ، میں مر چلا، مجھے واپس لاہور لے چلو'' وہ بے قرار ہو گئے، انکی پریشانی بڑھتی گئی۔ میری حالت بھی ان سے مختلف نہ تھی۔ تاہم ابھی تک لاہور واپسی کا اعلان نہیں کیا تھا۔ میں نے وعدہ کیا کہ ڈاکٹر مع ایمبولینس بلاتا ہوں، تم ادھر سے مت ہلنا، یہ کہہ کر میں نے ایک بڑی بلڈنگ کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ عام طور پر وہاں سب بھاگ رہے تھے۔ صرف نیلے کوٹ والے سینئر کیڈٹ اس سے محفوظ تھے۔ میں ابھی دس پندرہ گز ہی بھاگا تھا کہ ایک طویل ''ہائے'' نے قدم روک دیئے۔ پیچھے مڑ کر دیکھا

توپرانے دوست پتھر کے بجائے زمین پر یوں اوندھے لیٹے تھے جیسے پانی میں غوطہ کھا کر باہر نکلنے والوں کو پیٹ کے بل لٹایا جاتا ہے۔ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کی مدد سے آگے بڑھ رہے تھے۔ ان کے پاس دو نیلے کوٹ والے کھڑے تھے۔ وہ ایک فٹ رینگنے کیبعد "ہائے" کا نعرہ لگاتے اور پکارتے "ڈاکٹر کو بلاؤ" مجھ سے دیکھا نہ گیا اور میں نے پوری رفتار سے مخالف سمت میں بھاگنا شروع کر دیا۔ میں زمین پر رینگنے سے بچنا چاہتا تھا۔ بلڈنگ کے قریب نوواردوں کی ایکقطار دیکھی۔ یہ قطار سینما گھر کی قطارون سے ملتی جلتی تھی۔ میں بھی لائن میں کھڑا ہو گیا۔ ڈری ڈری سہمی ہوئی شکلیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک اور نوجوان قطار میں لگ گئے۔ مجھ سے پوچھنے لگے۔ بھائی صاحب! اکیڈمی سے باہر نکلنے کا راستہ کون سا ہے؟ میں خود اس راستے سے گہری عقیدت رکھنے کے باوجود ناواقف تھا۔ تاہم اپنا بھرم رکھنے کیلیئے میں نے بڑے دروازے کی طرف اشارہ کر دیا جہاں قطار آہستہ آہستہ گم ہو رہی تھی۔ دروازے کے قریب پہنچے، تو اندر سے شور شرابے کی مسلسل آوازیں سنائی دیں۔ آوازوں کیبنیاد پر بحث ہو رہی تھی کہ اچانک دروازہ کھلا اور میں بھی اندر گھس گیا۔ یہ ایک طویل برآمدہ تھا جہاں گردوغبار کی وجہ سے سانس لینا بھی دشوار تھا۔ نیلے کوٹ والے سینئر کیڈٹ بڑی

تعداد میں موجود تھے۔ انہوں نے اپنی اپنی ناک پر سفید رومال رکھے ہوئے تھے۔ ایک صاحب جو دروازے کے قریب کھڑے تھے۔ پوری قوت سے دھاڑے: ''گیٹ ڈاؤن!'' ہمیں ان لفظوں کا مطلب معلوم تھا۔ زمین پر پہنچے، تو حکم ملا کہ برآمدے میں پڑے ہوئے ٹاٹ کے نیچے آہستہ آہستہ آگے سرکو، اس سفر میں کئی نوجوان لیڈر اور کچھ پیروکار رہنے ہوئے تھے۔ اب کمیشن کی رہی سہی محبت اور پیار رخصت ہوگیا۔ میں نے پہلی مرتبہ سوچا کہ آخر یہ کیا ہو رہا ہے؟ اور اس کا انجام کیا ہوگا۔؟ میں ٹاٹ کے نیچے تقریباً پندرہ منٹ پڑا رہا۔ زیادہ دیر اس لئے ہوئی کہ میرے آگے چلنے والے صاحب میں آگے بڑھنے کی ہمت نہ رہی تھی۔ جب ٹاٹ سے باہر نکلے تو ایک سینئر کیڈٹ ہاتھ میں درمیانے سائز کا شیشہ لئے کھڑا تھا۔ جبراً اپنا چہرہ دیکھا۔ چہرے کی نسبت سوٹ کا زیادہ غم تھا۔ چہرہ مفت میں دھل سکتا ہے، لیکن سوٹ اب ڈرائی کلین ہوگا جس پر کئی سو پیسے لاگت آئے گی۔ برآمدے کے ٹاٹ میں سے گذرنے کا عمل برابر جاری تھا۔ کئی ایسے چہرے بھی مٹی کا میک اپ کئے نظر آئے، جنہیں اس میک اپ کی ضرورت نہ تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ شاید اس کے بعد غسل کا انتظام ہوگا۔ بلی کو خواب میں چھیچھڑے! ٹاٹ گزیدہ نوجوانوں کی تعداد بڑھ گئی۔

برآمدے کے اس کنارے پر جمگھٹا لگ گیا۔ یہ دیکھ کر ایک سینئر نے سب کو برآمدے سے نکالا اور ایک قطار میں کھڑا کر کے اٹھک بیٹھک شروع کرادی۔ گرم سوٹ میں یہ ورزش اپنا کام کر گئی۔ اب مٹی کے ساتھ ساتھ پسینہ بہہ نکلا۔ ہر چہرے پر کیچڑ کا سماں تھا۔ بعض جگہ دلدل کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔

دورانِ ورزش گھڑی پر نگاہ پڑی تو گیارہ بج رہے تھے۔ اکیڈمی آئے چار گھنٹے ہوگئے تھے، ابھی تک افسر بننے کے امکانات دور دور تک نظر نہیں آرہے تھے اور جو کچھ نظر آرہا تھا، اسے دیکھ کر دھاڑیں مار مار کر رونے کو جی چاہتا تھا، مگر افسوس کہ رونے کیلئے وقت اور مناسب جگہ نہیں مل رہی تھی۔

2

ڑی بلڈنگ میں زیرِ ٹاٹ سفر اس لحاظ سے ہمیشہ یادگار رہے گا کہ اس نے ابتداء ہی میں ہمارے وہ تمام کس بل نکال دیئے جو متوقع افسری کے سہانے خواب نے گردن

میں ڈال دیئے۔سب مٹی میں لوٹ پوٹ ہوگئے، پی ایم اے کی ذائقہ دار مٹی ناک نتھنوں سے لے کر کوٹ کی جیب تک میں گھس گئی تھی ۔ ہونٹوں پر زبان پھیری، تو مٹی کا ذائقہ مزید واضح ہوگیا۔شاید مٹی کے بعد گھاس کھانے کی نوبت آجاتی کہ اچانک ایک پرانے شناسا سے ملاقات ہوگئی ۔موصوف اگرچہ سینئر تھے، تاہم بڑی شائستگی سے پیش آئے، گلے لگانے لگے،لیکن مٹی کے انبار دیکھ کر ہاتھ ملانے پر اکتفا کیا۔انکا فیصلہ درست تھا۔اگر ہم گلے مل لیتے تو یقیناً موصوف کا چمکیلا سا نیلا کوٹ مٹی مٹی ہوجاتا،انہوں نے پہلے اپنے کمرے کی سیر کرائی۔کئی جگہ "come here" کی صدائیں بلند ہوئیں،لیکن ہمارے دوست کا اثر ورسوخ کام آگیا۔

خوش قسمتی سے جس بلڈنگ میں ہم ناگہانی آفات کا سامنا کر رہے تھے، وہی ہماری رہائش گاہ بھی تھی۔ یہ انکشاف استقبالیہ کی چٹ دیکھ کر ہوا۔یہ خبر میرے لئے بے پناہ خوشی اور مسرت کا پیام لائی اور مجھے دور سے ایک خوب صورت کمرہ نظر آنے لگا۔تھوڑی دیر کے بعد میں اپنے کمرے کے سامنے کھڑا تھا۔اب پرانے دوست نے ساتھ چھوڑا اور وہ جلدی سے سیڑھیاں اتر گئے، میں نے دروازہ کھٹکھٹایا، تو اندر سے "yes please" کی پاٹ دار آواز آئی۔ اللہ کا نام لے کر دروازہ کھولا، تو ایک

زوردار نعرہ بلند ہوا۔ ''السلام علیکم سر!'' میں نے بھی زور زور سے چلانا شروع کر دیا۔

''السلام علیکم سر! السلام علیکم سر!''

دوسری جانب سے آواز اور اونچی ہو رہی تھی، میں نے کنکھیوں سے دیکھا تو ایک انسان دیوار سے الٹا لٹکا ہوا نظر آیا، اسکی ٹانگیں چھت کی جانب اور چہرہ زمین سے لگ رہا تھا۔ سر پر بالوں کی کثرت سے یہ پہچاننا مشکل تھا کہ یہ عمر کے کس مرحلے سے گذر رہا ہے۔ بہرحال اس کی موجودہ حالت بے حد ترسناک تھی۔ اسکی یہ کیفیت دیکھ کر اندازہ ہوا کہ کوئی سینئر نزدیک ہی ہے اور اسکے حکم کا غلام الٹا ہوا ہے۔

جب سارے کمرے کا اچھی طرح جائزہ لیا، تو وہاں صرف ہم دونوں ہی تھے۔ ایک قدرتی حالت میں اور دوسرا غیر فطری انداز میں السلام علیکم سر پکار رہا تھا، کمرے کو ہر قسم کے خطرے سے خالی پا کر میں ان صاحب کیجانب بڑھا جن کی ٹانگیں دیوار کے سہارے کے باوجود کپکپا رہی تھیں۔ میرے قدموں کی چاپ سے نامعلوم انہوں نے کیا سمجھا اور وہ زور زور سے ''السلام علیکم سر!'' چلانے لگے۔ ان کا سانس تیز تیز چل رہا تھا۔ میں نے انکی کمر پر ہاتھ رکھا، تو وہ دونوں ٹانگیں زمین پر لے آئے اور کھڑے ہو گئے۔ ایک نوجوان جو یقیناً کسی کالج سے آخری پیریڈ پڑھ کر سیدھا اکیڈمی پہنچا تھا،

پریشان بال، سوکھے ہونٹ، گرد آلود چہرہ، تڑے مڑے کپڑے اور سرخ آنکھیں لئے میرے سامنے کھڑا تھا۔ اسکی ناک، آنکھ اور منہ سے پانی بہنے کے امکان کو رد نہیں کیا جاسکتا تھا۔

ادھر میری حالت بھی ان سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی۔ لہٰذا شرمندگی اور بے چارگی کے عالم میں تعارف ہوا۔ وہ بھی میری طرح جنٹلمین کیڈٹ بن چکے تھے۔ لیکن ابھی تک مسلسل مصائب برداشت کرنے کیوجہ سے یقین نہیں آرہا تھا۔ دونوں کا سامان بندھا تھا۔ مجھے اپنا سامان صحیح حالتمیں دیکھ کر سکون ہوا۔ ہم ایکدوسرے کو تسلیاں دیتے رہے کہ کوئی بات نہیں، سب کو دیکھلیں گے، بس ایکدفعہ وردی مل جائے۔ آخر کالج اور یونیورسٹی میں بھی تو فرسٹ ایئر فول بنتے رہے ہیں۔ تاہم اکیڈمی میں ہمیں سب نے سراپا فول سمجھ رکھا تھا اور دوسری طرف ہماری قوت مزاحمت صفر ہوگئی تھی، جو حکم ملتا، بلاچون وچرا سر تسلیم خم کردیتے۔

اب مزید تابکاری اثرات سے محفوظ رہنے کیلئے ہم نے کمرے کی کنڈی لگادی۔ گھوم پھر کر کمرہ دیکھا۔ یہ دو کمروں کا خوبصورت سیٹ تھا جس میں جملہ آسائشات مہیا تھیں۔ اپنا کمرہ دیکھ کر پروگرام بنا کہ ساتھ والا کمرہ بھی دیکھ لیں، موڈ خاصا خوشگوار

ہو چکا تھا۔ رگڑے کے اثرات زائل ہونے لگے۔ ہم گیلری میں سے ہو کر ساتھ والے کمرے کے دروازے پر پہنچے، دروازہ کھولا، تو یا اللہ خیر ہو، یک نہ شد چہار شد والا معاملہ! پورے چار سینئر دو نو گرفتار لڑکوں کو گھیرے، جسم میں خون کی حرکت تیز کرنے والی ایکسر سائز کرا رہے تھے۔ ہمارا خون ویسے ہی خشک ہو گیا۔ میں نے پوری قوت سے ''السلام علیکم سر!'' کا نعرہ لگانے کی کوشش کی، لیکن آواز گلے میں اٹک کر رہ گئی۔ البتہ میرے ''شریک کمرہ'' روم میٹ آواز نکالنے میں کامیاب ہو گئے، ایک سنیئر نے اشارہ کیا اور ہم دونوں خاموشی کے ساتھ اپنا خون تیز کرنے لگے۔ یہ سلسلہ نا معلوم کتنی دیر جاری رہا۔ ایک سنیئر نکلتا، تو دوسرے آ کر گھیر لیتے۔ ساری خرابی کی وجہ یہ تھی کہ کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ جس کی وجہ سے ہر کوئی بہتی گنگا سے فیضیاب ہو رہا تھا۔

اس دوران سامان لانے والا شخص ہمارے بستر ٹھیک کرتا رہا۔ اسکا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا، جیسے کچھ ہو ہی رہا یا جو کچھ ہو رہا ہے، وہ اسے دیکھنے اور نظر انداز کرنے کا عادی ہے۔

اب ہم دیوار سے ٹانگیں لگائے غیر فطری انداز میں کھڑے تھے۔ منہ سے ''ہائے ہائے'' اور دل میں ''آہ آہ'' ہو رہی تھی۔ کبھی کبھی ٹانگیں دیوار سے پھسل کر زمین پر

گرتیں، تو ساتھ لٹکے ہوئے ساتھی کیلئے انکا ملبہ مزید پریشانی پیدا کر دیتا، چند منٹ کوئی آواز سنائی نہ دی، تو سر اٹھا کر دیکھا، نیلے کوٹ والے سنیئر غائب تھے اور ایک شخص ہمارے بستر بچھا رہا تھا۔

ہم میں سے ایک نے اسے بلایا: ''بھائی صاحب! ذرا بات سنیں۔''

جی صاحب! ابھی حاضر ہوا سر! وہ فوراً بولا اور ہمیں اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ ہم ''صاحب'' اور ''سر'' کب سے بن گئے؟ صاحب اور سر کا خطاب ملنے کے بعد ضروری تھا کہ ہم اصلی حالت میں واپس آجاتے۔ یکے بعد دیگرے سب کھڑے ہوگئے۔ کھسیائی ہنسی کا تبادلہ ہوا۔ چہرے شرمندگی اور بے بسی کا عکس تھے۔ کپڑے جھاڑنے کے بعد اپنے اپنے کمرے کا رخ کیا۔

میں نے اپنے کمرے میں پہنچ کر سب سے پہلے چٹخنی چیک کی۔ وہ پوری مضبوطی سے بند تھی۔ ہمارے بستر ابھی جوں کے توں پڑے تھے۔ تھکاوٹ سے برا حال تھا۔ لہٰذا بغیر بستر کے ہی پلنگ پر لیٹ گئے۔ رات کا سفر اور دن کا رگڑا غنودگی کا سبب بنا۔ ابھی شاید چند منٹ کے لئے آنکھ لگی تھی کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ الٰہی خیر ہو، دروازہ کون کھولے؟ یا محاورے کی زبان میں یوں سمجھئے کہ بلی کے گلے میں گھنٹی کون

باندھے؟ میں نے اپنے شریک کمرہ کو اشارہ کیا۔ وہ گم سم کھڑے تھے۔ دروازہ کھولو صاحب؟'' صاحب'' کا لفظ سن کر ہماری جان میں جان آئی اور ہم دونوں کنڈی کھولنے کے لئے آگے بڑھے۔۔ یہ سامان ٹھیک کرنے والا اردلی تھا۔ میں نے سوچا کہ اس سے انٹرویو کر کے مزید معلومات حاصل؛ کریں، ہم نے کھانے اور اکیڈمی کی رسومات کے بارے میں پوچھا، تو اسکا ایک ہی جواب تھا،'' صاحب! آہستہ آہستہ سب معلوم ہو جائیگا؛'' اور وہ خاموش ہو گیا۔

کمرے میں ایک قد آور کھڑکی تھی جہاں سے کاکول کے قریب واقع نواں شہر اور خوبصورت پہاڑ صاف نظر آتے تھے۔ دسمبر میں وہاں خوب برف گرتی ہے۔ میں کافی دیر تک اس حسین منظر سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ کمرے کے باہر اور سامنے سڑک پر السلام علیم سر! کے نعرے لگ رہے تھے۔ ہم نے کمرے کی کنڈی برابر بند رکھی۔ اردلی نے کچھ دیر بعد مشورہ دیا کہ آپ حجامت کرا لیں۔ ورنہ کل صبح پریڈ پر شامت آجائے گی۔ فوجی حجامت دیکھی ضرور تھی، لیکن کبھی کرانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ بہر حال کیڈٹ کا سر کب تک خیر منائے گا! یہ سوچ کر ہم کمرے سے نکلے۔

اب کمرے سے بار بار شاپ تک اور اس کے قرب و جوار میں جو کچھ گذری، وہ

الگ داستان ہے۔ تاہم اشارتاً اتنا کہنا کافی ہے کہ لنچ کے وقت حجامت کے لئے نکلے تھے اور ڈنر کے بعد حجامت سمیت واپس کمرے میں آ گئے۔ لنچ اور ڈنر کا ذکر صرف آپ کی سہولت کیلئے کیا ہے، ورنہ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ لنچ اور ڈنر ملتا کہاں ہے، پہلے روز تو غسل خانے کا پانی پی کر گذارہ کیا۔ تاہم جولڑکے گھر سے پستے والی مقویات بنوا کر لائے تھے، انہوں نے وٹامن اے اور ڈی سے بھرپور غذائیں کھا کر ڈکار لی، جبکہ مجھ جیسے کئی آکسیجن اور ہائیڈروجن کے مرکب ہی پر گذارہ کرتے رہے۔

وقت گذر گیا۔ دن ہفتوں میں بدل گئے اور ہفتے مہینوں کو آگے لے آئے۔ ہماری ٹریننگ آگے بڑھتی رہی۔ "السلام علیکم سر!" کا استعمال کم ہو گیا اور پھر ایک وقت وہ بھی آیا کہ جب ہماری سواری نکلتی، تو چاروں طرف سے "السلام علیکم سر!" کے نعرے زور زور سے سنائی دیتے۔ اب ہم سینئر تھے۔ سوائے چند افسروں کے باقی سارا خطہ ہمارے زیرِ نگیں تھا۔ نیا کورس آیا تو ہماری عطا کردہ بدحواسیاں اور اوٹ پٹانگ روایات دہرائی گئیں۔ کاکول اکیڈمی میں پہلا ہفتہ واقعی شاندار ہوتا ہے۔ آج بھی جب ان واقعات کی یاد آتی ہے، تو بے اختیار قہقہہ لگانے کو جی چاہتا ہے۔ سارا دن رگڑا، رات کو سینئر کے پاس حاضری اور پھر کمرے میں جا کر تکئے کو آنسوؤں سے بھگونا۔ یہ کام ہر کسی کے بس کا روگ نہیں، اس کیلئے مضبوط دل

گردے کی ضرورت ہے، تاہم کمزور حضرات بھی کوشش کر سکتے ہیں، کیونکہ پی ایم اے ایسی جگہ ہے جہاں تمام کمزوریاں یک مشت دور ہو جاتی ہیں، خیر بات نئے کورس کی ہو رہی تھی۔ انکے آتے ہی پی ایم اے میں رونق آ گئی اور ہم (سینئر) بہت مصروف ہو گئے۔ کورس کو آئے ابھی تین دن ہوئے تھے کہ ان میں ایک شناسا مل گیا۔ اس نے بلند آواز سے "السلام علیکم سر!" کہا۔ سر کا لفظ گلے ہی میں اٹک گیا اور آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ پوچھا: "کیا بات ہے؟ کھانا..... روٹی..... نہیں کھائی؟" میں سمجھ گیا کہ بے چارے کو کیا مجبوری ہے؟" میں اسے اپنے ساتھ میس میں لے گیا۔ کھانا کھلایا، تو اسکے چہرے پر رونق آ گئی اور مجھے اپنا وقت یاد آ گیا جب پہلے دنوں میں غسل خانے کا پانی اور بیکری کے بسکٹ پیٹ بھرنے کے کام آتے تھے۔ یہ سلسلہ صرف اسلئے جاری رکھا تھا کہ میس سے نکلنے کے بعد سینئر کھانا ہضم کراتے تھے۔ یہ مرحلہ بہت مشکل اور خطرناک تھا۔ لہٰذا ہماری حتی الوسع یہ کوشش رہی کہ کھانا میس سے نکلنے کے بعد ہضم نہ ہو، کیونکہ ہضم ہونے کی صورت میں دو نقصان تھے۔ اول یہ کہ بھوک زیادہ لگتی تھی اور دوم، "السلام علیم سر!" کا نعرہ لگانے کی ہمت ختم ہو جاتی تھی۔ ہم اچھی طرح جانتے تھے کہ جتنے زور سے نعرہ لگائیں گے، اتنا ہی اچھا موڈ ہو گا۔

روٹ مارچ

پی ایم اے میں داخل ہوئے ابھی دو ہفتے ہی گذرے تھے کہ عید قرباں آ گئی، اب ہمارے دل کا حال مت پوچھیے، جی چاہتا تھا کہ عید قرباں کے آستاں پر قربانی کے فرمانبردار بکرے کی مانند چت ہو جائیں اور ...... اس کے بعد گردن پر کھجلی محسوس

ہوتی اور چت کے بعد کے خیال کا ''جھٹکا'' کر دیتے۔ہم سفروں کی حالت بھی کچھ مختلف نہ تھی۔سب کے چہروں سے خوشی عیاں تھی،لیکن جب اپنے سر پر ہاتھ پھیرتے،تو یوں لگتا جیسے کسی نے تھان سے دس بارہ دھاگے کھینچ لئے ہوں،بار بر کی کرم فرمائیں،عید کی خوشیوں کو پامال کر رہی تھیں۔ ہر ایک اس فکر میں تھا کہ گھر والوں کو کیا ''سر'' دکھائیں گے،اگر کسی کے گھر سے باہر خاص رشتہ داری ہے،تو یہ بہانہ بنا سکتا ہے کہ کاکول میں برفباری سے بے پناہ ''گرمی'' ہو گئی تھی۔لہٰذا ڈاکٹر نے مشورہ دیا کہ کانوں سے آدھ فٹ اوپر سارے بال کٹوا دو تا کہ کہیں دماغ میں خون نہ جم جائے۔ سارا دن اسی کشمکش میں گذرا۔کیڈٹ ایک دوسرے کا سر دیکھتے،تو خوبصورتی کا موازنہ کرنے کیلئے شیشے کا رخ کرتے اور اپنا سر دیکھ کر ان کی وہی حالت ہوتی جو مور کی اپنے پاؤں کا نظارہ کرکے ہوتی ہے۔اسی روز پلاٹون کمانڈر نے یہ خوشخبری سنائی کہ عید کی چھٹیوں کے بعد روٹ مارچ پر چلنا ہوگا۔

عید منانے گھر پہنچے اور ابھی حقوق اللہ کے تقاضے بمشکل پورے کئے تھے کہ گھر والوں نے ایبٹ آباد کی بس میں بٹھا دیا۔عید کی رنگینیاں باسی ہو چکی تھیں۔تاہم ان میں روشنی باقی تھی جس کی چکا چوند یاد ہمیں بس میں آنکھیں بند کرنے پر مجبور کر دیتی۔

اب یکے بعد دیگرے خواب آنے شروع ہو گئے۔ یوں معلوم ہوتا جیسے کوئی فلم دیکھ رہا ہوں، جس میں اکثر کاکول کی ''ریل'' بھی چل جاتی۔ فلم کی پس پردہ مسحور کن موسیقی اکیڈمی بینڈ کی تھی۔ کاکول کے اس نغماتی تحفے سے ہمارے کان آشنا ہو چکے تھے۔ یہ ایسی آواز ہے جسے سنکر مردہ دل بھی تبدیلی قلب کے آپریشن کے بغیر جوان ہو جاتے ہیں، کیڈٹ تو اس آواز سے عشق کرتا ہے۔ اگر یقین نہ آئے، تو کسی پاسنگ آؤٹ پریڈ کا نظارہ کریجئے۔ بس میں ہمارے خوابیدہ نظارے جھٹکوں کے باوجود جاری تھے۔ تاہم خواب کی اصل تعبیر آٹھ بجے رات معلوم ہوئی، کیونکہ ہم اکیڈمی کے اندر تھے اور کیڈٹ کے ورزشی پیشوا استقبال کے لئے چشم براہ تھے۔ باہر سینئر کیڈٹ سے دوستانہ انداز میں گپ شپ کی، لیکن جونہی اکیڈمی میں قدم رکھا، تو گویا ''جیسے جانتے نہیں! پہچانتے نہیں!'' کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اب زندگی کی آخری خواہش اپنا کمرہ تھا جہاں لکڑی کے دروازے پر لوہے کی چٹخنی لوکل ڈیفنس کا کام کرتی تھی۔ اس خواہش نے دماغ کو چکرا دیا اور ہم سڑک چھوڑ کر گھاس کا پلاٹ پھلانگنے لگے تاکہ کمرے میں جلد پہنچ جائیں۔ ابھی آدھا راستہ ہی طے ہوا تھا کہ سنیئر کیڈٹ نے سگنل اپ کر دیا اور کالے انجن کی بھاپ کی مانند ہماری ساری تیزی نکل گئی۔ یہاں وقت

زیادہ صرف نہیں ہوا۔ حکم کے مطابق اٹیچی کیس سر پر رکھا اور بیرک کے ارد گرد چکر لگانے لگے۔ بار بار کمرے کے سامنے سے گذرتے۔ جب بستر پر نگاہ جاتی، تو اس وقت کو کوستے جب سڑک کو خیر باد کہا تھا۔ دریں اثناء ہمارے اردلی نے پہچان لیا۔ وہ زور سے چیخا۔ صاب! کہاں بھاگ رہے ہیں؟ یہ آپکا کمرہ ہے۔" ہم نے سنی ان سنی کر دی۔ سرِ تسلیم خم تھا۔ کیونکہ مزاج سنئیر کے خدوخال دیکھتے ہوئے یہی چارہ کار نظر آیا۔ اردلی نے جب سینئر کیڈٹ کو ہمراہ دیکھا، تو وہ بھی کمرے کے سامنے جم گیا اور یوں گیٹ سے کمرے تک سفر کی یہ رات ٹلی۔

اگلے دن سورج کی کرنیں ابھی نہا دھو کر چلمنسر کا نے کی تیاری کر رہی تھیں۔ ایبٹ آباد کی حسین وادی کے رہنے والے نیند سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اسی وادی کے ایک کونے میں چند سو نوجوان عین اسی وقت پسینے میں نہا چکے تھے۔ کاکول میں سورج بہت شریر ہے۔ وہ بھی ہماری ہنسی اڑاتا اور قد آور برفیلے پہاڑوں کے اس پار سے آٹھ نو بجے ناز نخرے سے نکلتا۔

خیر! اب روٹ مارچ شروع کرتے ہیں۔ پلاٹون کمانڈر نے ایک روز پہلے مارچ کا روٹ بتایا، نقشے پر ہدایات دیں اور آنریری عہدے تقسیم کیے۔ جن کیڈٹوں کو

عہدوں کی نشاندہی کے لئے ''بیجز'' ملے تھے، انکی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ اکیڈمی میں یہ پہلی عزت ہاتھ آئی تھی۔ ایلکیڈٹ سے رہا نہ گیا۔ وہ ڈنر کے بعد روٹ مارچ کے لباس میں بن ٹھن کر نکلے اور ہر کمرے میں جا کر اس رعب سے روٹ مارچ کے ماضی، حال اور مستقبل پر لیکچر دیا کہ ہم ایسے کئی جاں بلب ان کو تکتے ہی رہ گئے۔ بعدازاں اپنی دوستی کا احساس دلانے کیلئے خود انکے کمرے میں گئے اور ایک مشترکہ اعلامئے کی صورت میں روٹ مارچ کے موقعپر حمایت وامداد کا وعدہ لیکر واپس آئے، لیکن اگلے دن ...... جب آ گیا عین روٹ مارچ میں اک پہاڑ ...... تو ماضی نے پلٹ کر دیکھنا گوارا نہ کیا۔ مستقبل بہت تیزی سے پہاڑ کو سر کرتا ہوا چوٹی پر جا پہنچا اور ہمارے دوست کو صرف اپنے حال پر گذارا کرنا پڑا۔ حد یہ ہوگئی کہ وہ مستقبل سے منہ پھیر کر دوبارہ ماضی کو پکارنے لگے۔ اس موقع پر کیڈٹ پلاٹون کمانڈر نے ہنگامی امداد کیلئے دو کیڈٹوں پر مشتمل ایک دستہ بھیجا تاکہ حال کا مستقبل سے ناطہ جوڑا جا سکے۔ ہمارے دوست بمشکل آمادہ ہوئے، لیکن شرط یہ عائد کی کہ ان کا سامان جس کے خاندان میں کمبل سے لے کر سوئی دھاگہ تک شامل تھا، امدادی دستہ اٹھائے۔ اس سے کس کو انکار تھا؟ سامان کی علیحدگی کے بعد بھی ان کے چلنے کا انداز رفتار اس ڈبل

ڈیکر بس سے مختلف نہ تھا جو انجن اور پٹرول کے بجائے سواریوں کے دھکے سے چلتی ہے۔ مولانا حالی سے پرزور معذرت کے ساتھ .... سب کی زبان پر یہ مصرع تھا۔ ع

ے کیڈٹ پہ تیرے آن عجب وقت پڑا ہے

عجب وقت کہنے کو تو پلک جھپکتے ہی گزر گیا، لیکنا سرتبہ آنکھ کو جھپکنے سے بے حد تکلیف ہوئی۔ بہر حال یاران صف شکن نے منزل کو جا لیا۔ اب خوشی و مسرت کے نعرے اس زور سے بلند ہوئے کہ قریب ہی ایک غار نما مکان سے چند آدمی نکل آئے۔ ہم سب حیران تھے کہ اتنی بلندی پر بھی انسان کا بسیرا ہے، ذہن نے اس خبر کا ابھی ابتدائیہ ہی لکھا تھا کہ لنچ کا شور ہوا۔ سب نے اپنا اپنا دستر خوان پھیلایا اور دعوت شیراز اڑانے لگے۔ لنچ کے ذکر سے یاد آیا کہ روٹ مارچ میں کیڈٹ اشیائے خوردنی کا انتظام بہت اہتمام سے کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ ایک رات پہلے طے ہو جاتا ہے۔ اونچے دامھیکے پکوانکے باوجود اس موقع پر کنجوسی کے بجائے شاہ خرچی کے اعلیٰ ترین نمونے دیکھنے میں آتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ روٹ مارچ اکیڈمی میں ہی پہلا نایاب تجربہ تھا۔ جس نے جو رائے دی، اسپرین کی گولی کی مانند چبائے

بغیر ہی نگل گئے۔ اس روٹ مارچ کیکل مدت ایکروزتھی اور اصل روٹ مارچ شروع ہونے میں ابھی چند دن کا وقفہ تھا، لیکن ایک روزہ روٹ مارچ بھی نو آموز کیڈٹوں کے لئے قیامت سے کم نہ تھا۔ اس موقع پر کینٹین کی خوب بکر یہوئی۔ کیڈٹ کینٹین کی ہر وہچیز اپنے کمرے میں منتقل کر رہے تھے جس پر ذرا بھی شبہ ہوتا کہوہ روٹ مارچ میں کام آئے گی۔

برسبیل تذکرہ کینٹین کا بل مہینے کی پہلی کو مل جاتا ہے۔ پہلے مہینے جب بل آیا، تو ایک کوبصورت کاغذ پر کچھ رقمواجب الادا درج تھی۔ خوبصورت کاغذ نے فوراً ہی ایک بردہ فروش کا روپ دھار لیا اور ہماری نابالغ تنخواہ کو کسی مزاحمت کے بغیر اغوا کر کے لے گیا۔ اس تجربے کے بعد ہم نے کینٹینکے رجسٹر پر آٹوگراف کے بدلے چیزیں خریدنے سے توبہ کر لی اور "نو نقد نہ تیرہ ادھار" کا ورد کرتے ہوئے خوش حال کیڈٹ کا روپ دھار لیا۔

اردو شاعری اور نثر میں مرغانِ سحر اور چراغِ سحری کیتذکرے بہت سنے تھے، لیکن کبھی ان سے بالمشافہ ملاقات کا موقع نہیں ملا تھا۔ سردیوں میں سحر کا تصور ہی کچھ ایسا جان لیوا ہے۔ کہ اکثر محض ذکر ہی سے دانت بجنے لگتے ہیں۔ دوسری جانب بزرگوں کا

فرمان کہ عبادت اور ریاضت کیلئے سحر افضل ترین ساعت ہے۔ کاکول میں روٹ مارچ کے عوض سحر کی ریاضت سے اکثر واسطہ پڑا۔ کئی مرتبہ تو ہم نے مرغ نسحر کو بھی قبل از وقت بیدار کر دیا۔ بیداری سے یاد آیا کہ کاکول میں صنعتی ترقی کا ایک تحفہ ہمیں روزانہ بیدار کرتا تھا۔ یہ تحفہ گھڑی مع الارم ہے۔ شاید ہی کوئی کیڈٹ ایسا ہو جو اس تحفہ نایات سے خود کو محروم رکھے۔ الارم کیچیخ رگ رگ میں سمائی ہوئی تھی، اکثر ایسا ہوا کہ سوتے میں ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھے اور سیدھے شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر شیو شروع کر دی۔ جب گھڑی دیکھی تو معلوم ہوا کہ ابھی رات کے تین بج رہے ہیں اور بیداری میں نصف گھنٹہ باقی ہے۔ ہماری بیرک کی ہیئت ترکیبی کچھ ایسی تھی کہ جب علی الصبح ایک گھڑی چیختی، تو آخری کمرے تک اس کی آواز بلا کٹ پہنچ جاتی۔ یہ خطرے کا پہلا سگنل ہوتا۔ اس کے بعد ہر طرف سے الارم چیختے۔ ان کی آوازیں گھڑیوں کی عمر اور مسافت سے مناسبت رکھتی تھیں۔ چینی نژاد فیشن ایبل گھڑیوں کی آواز میں ترنم تھا، لیکن الارم کے شور میں ان کی آواز دب جاتی۔ کچھ ریٹائرڈ قسم کے گھڑیال بڑے غصے سے غرایا کرتے تھے۔

الارم کی چیخ و پکار کے باوجود ہم انکے احسان مند ہیں کہ وہ ہر خطرے سے پہلے ہمیں

آگاہ کردیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ پریڈ میں لیٹ آنا باوجود کوشش کے، ناممکن تھا۔ البتہ پریڈ سے جانے کے اوقات ہمارے بس میں نہ تھے اور باوجود کوشش کے "پریڈ سے "جانا" اکثر لیٹ ہوا کرتا تھا۔ تاہم اس میں بے چاری گھڑیوں کا کوئی قصور نہ تھا۔ روٹ مارچ میں علی الصبح بیداری کیلئے کسی الارم کی ضرورت نہ تھی، کیونکہ ہم اکثر ساری رات سنتری ڈیوٹی دیا کرتے تھے اور اسی عالم میں صبح ہو جاتی۔ اس بیداری کے بعد کیڈٹ یہ خوشی مناتے کہ آج الارم کی آواز نہیں سنی، شاید پی ٹی کی چھٹی ہے۔

روٹ مارچ پر روانگی کے دن ہماری بیداری اس ساعت میں ہوئی، جس کا ذکر استاد موسیقار بطور وقت ریاض کرتے ہیں۔ ابھی چاند اور تارے غروب ہونے کے موڈ میں نہیں تھے۔ چاروں طرف اندھیرا تھا اور کاکول کی حسین وادی میں صرف کیڈٹوں کی بیرک کے چراغ دعوتِ نظارہ دے رہے تھے۔ سامان تیار تھا۔ اس کی تیاری ایک اہم مرحلہ تھا۔ لیکن تجربہ کار اردلی نے ایک دن پہلے اسے یوں پیک کیا جیسے کہیں ایکسپورٹ کرنا ہو۔ دو عدد کمبل، مچھردانی، برساتی، گراؤنڈ شیٹ، براؤن بوٹ ایک عدد، بوٹ کالے ایک عدد (ایکسٹرا) کے علاوہ سوئی سے لے کر دال ماش تک تقریباً چالیس اشیاء سے ہمارا رشتہ استوار کر دیا گیا۔ اور یہ کچھ ایسا چٹ پٹ ہوا کہ کسی کو قبول

یا ناقبول کا پوچھنا یاد ہی نہ رہا۔ اب قبول کرنے کے سوا چارہ نہیں تھا، سو ہم نے اس خاندان کو ہمراہ لیا۔

ہماری حالت آم کے اس درخت سے مختلف نہ تھی جس کی شاخوں سے پیوندکاری کے لئے بڑے بڑے گملے مع کھاد لٹکا دیئے گئے ہوں۔ بادِ مخالف بھی بہت تیزی سے چل رہی تھی۔ ہمارے ساتھ چپکا ہوا یہ بے حال گھرانہ ابھی چند قدم ہی چلا تھا کہ ایک بے ادب کو شرارت سوجھی اور گردن کے قریب چٹکی لی۔ چٹکی کا عرصہ حیات زیادہ طویل ہوا تو ہم نے ایک کیڈٹ سے کہا: بھیا! ذرا دیکھنا یہ کیا شے لپٹ گئی ہے۔ معلوم ہوا کہ ایک بوٹ کی کیل اپنے وجود کا احساس دلا رہی ہے۔ اسے دلاسا دیا اور سمجھایا کہ ابھی بہت چلنا ہے۔ آغاز ہی میں گھبرا گئی۔ کیل سمجھدار تھی۔ معمولی کوشش کے بعد اپنے بل میں گھس گئی۔ اسی طرح کی اکا دکا وارداتیں اور ہوئیں، لیکن جلد ہی صورتحال قابو میں آگئی، اس کامیابی کو سب نے ہمارے اور اردلی کے تجربے کی کامیابی قرار دیا۔ دوسری طرف میرے پلاٹون میں وقت روانگی عجیب رقت انگیز منظر تھا۔ نئی نئی صاف ستھری ڈانگری (یہ لباس کی ایسی قسم ہے جس میں زمانہ ازل سے پتلون اور قمیض میں باہم فاصلے نہیں ہیں اور دونوں میں چولی دامن کا ایسا ساتھ ہے کہ اگر چولی

پر ہاتھ ڈالیں، تو دامن قابو آجاتا ہے اور دامن کو سنبھالیں، تو چولی بگڑ جاتی ہے۔) چمکتے ہوئے فوجی زیور اور سب سے بڑھ کر فخر و مسرت سے تنا ہوا سینہ جو ہر تکلیف کا سامنا کرنے کیلئے تیار تھا۔

کمروں سے نکلے، تو آپس میں مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوا۔ ہر ایک کیکوشش ہے کہ اس کا ساتھی ذرا مضبوط ہو، کیونکہ راہ کٹھن ہے، منزل کا اتہ پتہ نہیں، ایک کیڈٹ کے پاس نقشہ ہے، باقی اس پر جھکے ہوئے پڑاؤ کی جگہیں دیکھ رہے ہیں، نقشے پر منزل بے حد قریب نظر آتی ہے۔ پشت پر سامان کا بوجھ بہرحال جسم پر اپنے اثرات اور چہروں پر تاثرات ثبت کر رہا ہے۔ کچھ دیواروں کے ساتھ لگے کھڑے ہیں۔ یہ بھی کھڑے کھڑے ریسٹ (آرام) کرنے کا نایاب طریقہ ہے۔ اتنے میں وسل ہوئی اور ہم "فال ان" ہوگئے۔ قطار بندی درست ہے۔ آنکھیں ساکن، اعضاء کی قدرتی جنبش پر بھی پہرہ ہے۔ اسی کا نام ڈسپلن ہے۔ پلاٹون کمانڈر کی آمد آمد ہے، ان کے چہرے پر جلال اور آنکھوں میں مسکراہٹ ہے۔ روٹ مارچ ڈریس کی چیکنگ شروع ہوئی۔ بوٹوں کے تسمے سے لے کر ٹوپی کا چوتھائی انچ قطر والا پھندنا تک کڑے امتحان سے گذر رہا ہے، تقریباً سب پاس ہوگئے۔ دو تین کیکمپارٹمنٹ آرہی تھی، لیکن پلاٹون

کمانڈر نے رعایتی نمبر دے کر سب کو پاس کر دیا۔ اب کمانڈر کی تقریر ہو رہی ہے، جس میں نصیحت، طریقہ کار اور وارننگ وغیرہ کا حسین امتزاج ہے۔ تقریر ختم ہوئی۔ اب عملی باری ہے۔

روٹ مارچ میں دیگر پلاٹون بھی ہیں۔ روٹ مارچ ڈریس کے ساتھ ایستادہ پوزیشن میں جھکاؤ چہرے کی مخالف سمت میں ہے۔ مثلاً اگر چہرہ مشرق کی جانب ہو، تو جسم کا مجموعی جھکاؤ مغرب کیطرف ہوتا ہے۔ اب میزان کی ذمہ داری کیڈٹ کی ہے، کیونکہ کشش ثقل کی ذمہ داری حکم دینے والے پر نہیں ہے۔ اس ماحول میں ہم میں سے اکثر "پیسا" کا مینار بنے کھڑے تھے اور یہ خطرہ تھا کہ بس گرے ہی گرے، لیکن کیا مجال ہے کہ قدم ذرا بھی ڈگمگا جائیں۔ سوچ سب کا تنقیدی جائزہ لے رہی تھی کہ کمانڈر کی آواز آئی:

"how is morale" (مورال کیسا ہے)

ہم سب نے صدا دی "ہائی" (اونچا یعنی بہت اچھا)

ہائی کی صدا پہاڑوں سے ٹکرا کر دوبارہ گونجی، اب اطمینان ہو گیا کہ روٹ مارچ میں ہم اکیلے نہیں ہیں، چند منٹ کے بعد ہم پی ایم اے کا مین گیٹ چھوڑ رہے تھے۔

کیڈٹ نے لمبی سانس لی جو موسم کی مناسبت سے سرد تھی اور ملٹری اکیڈمی کی نکھری ہوئی خوبصورت عمارت کو دیکھا۔ ''خدا حافظ''! اس کے دل سے نکلا اور ذہن میں سرایت کر گیا۔ ابھی بمشکل سو گز چلے تھے کہ ایک ''صاحب'' پریشان نظر آئے۔ وجہ پوچھی، تو فرمانے لگے، ''وہ.... لنچ کمرے میں بھول آیا ہوں۔'' ہم جواب دینے کی تیاری کر رہے تھے کہ دوسرے کیڈٹ نے فوراً کہا۔ بھائی، کوئی بات نہیں، ڈنر کھا لینا، یہ بات درست تھی، کیونکہ سات روز کا لنچ، ڈنر وغیرہ ہمارے کندھوں پر سوار تھا۔

قدم بہت تیزی سے اٹھ رہے تھے۔ یہی حال ہم قدموں کا تھا۔ روٹ مارچ کا پہلا اس لحاظ سے آغاز میں خوشگوار تھا کہ سوائے چند ایک کے سب کیڈٹ زندگی کے ایک نئے تجربے سے روشناس ہو رہے تھے۔ چند تجربہ کار کیڈٹ بھی تھے جو اپنی سابقہ فوجی زندگی کے باعث پلاٹون کا قیمتی سرمایہ تھے، ان کی باتیں جن میں تجربے کا نکھار اور نصیحت کا اصرار نمایاں ہوتا، ہم ایسے ناتجربہ کاروں کے بہت کام آئیں، یہ کیڈٹ روٹ مارچ میں پلاٹون کے آخر میں صف بستہ دل پھینک جاں نثاروں کے حوصلے بلند کرتے۔ ہم نے یہ نصیحت پلے باندھ رکھی تھی کہ روٹ مارچ میں سب سے آگے چلنا چاہئے۔ روٹ مارچ کے دوسرے دن اس نصیحت نے زبانی وصیت کا روپ دھار لیا

اور ہم اپنی مقدور بھر کوشش کیا وجود کسی نصیحت یا وصیت پر عمل نہیں کر سکے کیونکہ ہمارے پاؤں خود اپنے حکم کے بندے نہیں رہے تھے۔

یاؤش بخیر! پہلے دن کا سورج نصف النہار پہنچا، تو احساس ہوا کہ یہ روٹ مارچ ہے، تماشا نہیں۔ کڑاکے کی سردی میں پسینہ ساون بھادوں کییاد دلا رہا تھا۔ چہروں پر مشقت کے آثار نمایاں تھے۔ پانی کی طلب بڑھنے لگی۔ چلتے چلتے پانی پینا ناممکن تو نہیں، لیکن مشکل ضرور تھا۔ خودساختہ برتری کا احساس پانی کے استعمال سے روکے ہوئے تھا۔ اب ضرورت کسی ایسے رضا کار کی تھی جو پانی بوتل سے پانی کا افتتاح کرے تاکہ باقی کیڈٹ بھی اسکی پیشوائی میں پیاس کیحاجت پوری کر سکیں۔ یہ رسک پہلے ناک کا مسئلہ بن گیا، لیکن جب پیاس کیشدت نیجان کیلئے مسئلہ پیدا کر دیا تو سب شرم وحیا مٹ گئی، اور ہر طرف جام گردش میں آ گئے۔

پانی سے لبریز جام کیڈٹ کی پشت سے لٹک رہے ہیں۔ بوتل کو علیحدہ وغٹا غٹ کرنا ایک نئے عذاب کا پیشِ خیمہ ہے۔ کیونکہ بوتل آسانی سے کھل سکتی ہے، لیکن چلتے چلتے اسے دوبارہ روٹ مارچ ڈریس سے جوڑنا کسی ماہر فنکار کی توجہ کا محتاج ہوتا ہے اور یہ فنکاری اس کیڈٹ کی ذمہ داری تھی جو ہمارے پیچھے آ رہا تھا۔ فنکار کا فن ہر وقت داد

شجاعت نہیں دیا کرتا۔ سالہا سال کے تجربات کے بعد ماضی کے کیڈٹ ایک نشانی چھوڑ گئے ہیں جس کے باعث اب روٹ مارچ کے وقت صراحی ساکن رہتی ہے۔ البتہ خشک لب یوں سیراب ہوتے ہیں، جیسے کسی نے جام منہ سے لگا دیا ہو، صراحی اور تشکلبوں کے مابین جام کا فیضہ ربڑ کی نالی سرانجام دیتی ہے۔ اسکی شکل وصورت آنت نما ہے، لیکنیہ شیطان کی آنت سے قطعاً کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ روٹ مارچ میں ربڑ کی آنت اکثر کام آئی۔ بوقت ضرورت اسے بوتل میں ٹھونسا اور پانی پی گئے۔

روٹ مارچ کے آغاز میں آنت کی سہولت کا نقصان بھی ہوا۔ اس میں ہمارا قصور بھی تھا۔ پہلے پہل جب پیاس لگی تو دوراندیشی کو بالائے طاق رکھ کر ایک ہی مرتبہ سارا پانی پی لیا تھا اور پھر بوتل میں سے پانی کے بجائے عجیب وغریب آوازیں نکلنے لگی تھیں۔ کبھی یہ محسوس ہوتا جیسے کوئی خراٹے لے رہا ہے اور اکثر یہ آوازیں تشنہ لب نلکوں کی ان آوازوں سے مل جاتی تھیں جو ان نلکوں کی "ٹونٹیاں" کھولنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ اب ربڑ کی آنت بوجھ معلوم ہوتی اور ہم بے قرار ہو کر آب جو کی روانی کو یاد کرتے، لیکن مقررہ وقت سے قبل ہم کنارِ آب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

کچھ دوستوں نے پیاس کو زیادہ گستاخ پایا، تو ان کیلئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا

کر اپنے آگے چلنے والے کیڈٹ کی بوتل میں پانی کا سراغ لگائیں۔ پانی کی موجودگی سے ایک ٹکٹ میں دو مزے ہو جاتے۔ اس سراغ رسانی کے اصل نتائج آگے چلنے والے کیڈٹ کو اس وقت معلوم ہوتے، جب بوتل سے آنت کے ذریعے پانی کے بجائے خالی ہوا زبان کو مزید خشک کر دیتی۔ پہلے روز ہم یہ سمجھتے رہے کہ بوتل میں کہیں ہوا کی آمد و رفت کا قدرتی انتظام ہو گیا ہے اور سارا پانی اسی کا فائدہ اٹھا کر ڈانگری میں جذب ہو رہا ہے۔ دراصل پسینہ بھی روزانہ ایک ڈیڑھ بوتل کے برابر بہہ جاتا تھا۔ اسی کشش و پنج میں وقت گذر گیا اور زبان کو بہت مشکل سے آمادہ کیا کہ وہ اپنا پڑاؤ منہ کے اندر ہی رکھے۔ آخر ہم بے زبان تو نہیں تھے کہ سب کے سامنے زبان کا اشتہار منہ پر چسپاں کر لیتے۔ زبان کے مسلسل بے زبان احتجاج سے تنگ آ چکے تھے کہ آگے چلنے والے کیڈٹ کی پانی سے بھری ہوئی بوتل نے جس کا ہلنا جلنا بھی دو بھر تھا۔ ہمیں اس بات پر اکسایا کہ ربڑ کی آنت کے ذریعے ”خفیہ ملاقات“ کر لی جائے۔ ہم نے سوچا کہ ترکیب اچھی ہے۔ پہلے اپنا پانی پی لیں، بعد میں ہمسائے کے پانی سے کسر پوری کر لیں گے۔ اب اپنی بوتل پر ہاتھ مارا، تو سوائے غرارے ایسی آوازوں کے کچھ میسر نہیں آیا۔ غصہ اور پیاس باہم مل گئے۔ پانی بھر بوتل برابر اشارے کر رہی تھی۔

ربڑ کی آنت کو نکالا اور آگے بڑھے کارک کو ہاتھ مارا، لیکن وہ کسی زنگ زدہ ''سکریو'' کی مانند اڑا ہوا تھا۔ کارک کھینچنا عقل داڑھ نکالنے کے برابر تھا۔ ہم نے کوشش جاری رکھی۔ بوتل کے کارک پر زیادہ دباؤ ڈالا، تو اس نے کچھ اس انداز سے پہلو بدلا کہ کیڈٹ کو خبر ہوگئی۔ وہ گردن گھمائے بغیر (کہ یہ لوڈ کی وجہ سے ناممکن تھا) گڑبڑ کا سبب پوچھنے لگے۔ ہم نے یوں سمجھایا 'آپ کی بوتل میں پانی زیادہ بھر گیا ہے، وہ آپ کو تنگ کر رہی ہے۔ اسے ٹھیک کر رہے ہیں۔ کہنے لگے: ''شاباش دیکھنا کارک مضبوط ہے؟ اس میں پی ایم اے کا پانی ہے۔'' پی ایم اے کا پانی، یہ سن کر ہمارا سر خود بخود گھومنے لگا۔ الٰہی! اتنا عرصہ گذرنے کے باوجود یہ صاحب فکسڈ ڈیپازٹ کی طرح پانی سنبھالے ہوئے ہیں۔ آخر چکر کیا ہے؟ یہ سوچتے ہوئے پوچھا، تو انہوں نے مسکرا کر اپنے سے آگے چلنے والے کیڈٹ کی بوتل کی طرف اشارہ کر دیا جو روٹ مارچ کی شدت کے باعث اوندھی ہو چلی تھی۔

لنچ کیلئے اینگجھپراؤ کیا، تو معلوم ہوا کہ سب ایک دوسرے کے پانی سے سیراب ہو چکے ہیں، لیکن سب سے آگے چلنے والا کیڈٹ پیاسا تھا۔ اسے پلاٹون کمانڈر کی ''پانی بوتل'' کا محل و وقوع معلوم نہیں تھا۔ علاوہ ازیں اگر معلوم بھی ہوتا تو اس بوتل کو ہاتھ لگانا

تصور میں نہیں آسکتا، تاہم جلد ہی پہلے کیڈٹ کی اس کیڈٹ سے دوستی ہوگئی جو پلاٹون کی قطار میں سب سے آخر میں چل رہا تھا۔ اس کی بوتل کا کارک صبح سے بند تھا۔

پہلے روز سورج نے بھی حد کردی۔ بے پناہ گرمی اور پیاس کی شدت نے کیڈٹوں کو یہ سوچنے پر مجبور کردیا کہ سردی، دھوپ سے اچھی ہے۔ کم از کم پیاس سے تو چھٹکارا مل جاتا ہے۔ دن ڈھلے گرمی اور خنکی کا امتزاج ہمارے لئے وبال جان تھا۔ چلنے کی صورت میں گرمی اور رک گئے تو کپکپی۔ آہستہ آہستہ اندھیرا غالب آرہا تھا۔ ہمارے قدم نپے تلے انداز میں اٹھ رہے تھے۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اٹھائے ہوئے سامان کا وزن بڑھ گیا ہے۔ ہم نے ایک تجربہ کار کیڈٹ سے اپنے اس شک کا اظہار کیا، تو وہ یہ کہہ کر خاموش ہوگئے، بھیا! روٹ مارچ سے تمہارا اپنا وزن کم ہوگیا ہے۔ اسلئے سامان کا وزن زیادہ لگ رہا ہے۔ ان کا یہ فرمان روٹ مارچ کے اختتام تک ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ کیونکہ اس کلئے کے مطابق ہمیں آخری روز اپنے ساتھ بادبان باندھ لینے چاہئیں تھے۔ روٹ مارچ کے پہلے دن خصوصی استقبال ہم سب کے حوصلے بلند کرگیا۔ جس راستے ہمارا گذر ہوتا، راہ گیر راستہ چھوڑ دیتے، بالخصوص بچے ہمیں دیر تک تکتے رہتے۔ کچھ شرارتی دانت دکھاتے، کبھی کبھی دانتوں سے زبان

بھی باہر نکل آتی۔ بچوں کو ان کی شرارتوں کی رسید یوں ملتی کہ انہیں یقین ہو جاتا کہ ہم بھی زبان میں رکھتے ہیں۔ میں نے محسوس کیا کہ مشقت اور اضطراب کے لمحات میں ماں اور بہن کی دعائیں ایک خاص جذبہ بیدار کرتی ہیں اور سپاہی بے اختیار اپنی منزل کیجانب بڑھنے لگتا ہے۔ مجھے آج بھی وہ ماں یاد آ رہی ہے جو ہمیں روٹ مارچ کے پہلے روز ایک گاؤں کے قریب نظر آئی تھی۔ ہم اس کے گاؤں سے گذر رہے تھے۔اس کے الفاظ سنائی نہیں دے رہے تھے، تاہم چہرے کے تاثرات اور ہاتھوں کیکیفیت سے ظاہر ہوتا تھا کہ ماں دعا کر رہی ہے۔ ہمارے لئے یہی کافی تھا۔ روٹ مارچ میں بھائی چارے، محبت اور شفقت کے کئی ایسے مناظر جن میں ایثار کا پہلو نمایاں ہوتا، بہت قریب سے گذرے، انکا ذکر گاہے گاہے آتا رہے گا۔ روٹ مارچ کے پہلے روز کے اختتامیہ پر ہمیں اپنے تمام تر سامان اور ماضی کیڈر اوئی کہانیوں کے پس منظر کے ساتھ ایک قبرستان میں پہنچا دیا گیا۔ چاروں طرف مہیب خاموشی تھی۔ کیڈٹوں کی نقل وحرکت نے ماحول مزید پراسرار بنا دیا۔ ہم نے قبرستان کا جائزہ لیا اور یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ چند قبریں پختہ ہیں، مزید برآں مرنے والوں کے لواحقین نے اردگرد کا علاقہ بھی پختہ کر دیا ہے۔ اردگرد کی یہ ''پختگی'' ہمارا واحد

سہارا تھا۔ ابھی بستر لگا رہے تھے کہ ایک جانب سے شور اٹھا۔ ”سانپ، سانپ“ پلاٹون کمانڈر کے ڈانٹنے سے یہ شور سانپ کے ساتھ ہی غائب ہو گیا۔

رات کے وقت شور مچانا یا آگ جلانا منع تھا اور ہمارے دوست رات بھر کیلئے پلاٹون کے سربراہ بنے تھے۔ وہ ہر معاملے میں پلاٹون کمانڈر کو جوابدہ تھے۔ انہوں نے سب کے بستر سیدھ میں لگوائے۔ وہ ”ڈریسنگ“ کے معاملے میں خاصے حساس تھے۔ اس پر ایک اور کیڈٹ سے رہا نہیں گیا۔ فوراً ان کے پاس گئے اور کہنے لگے: ”معاف کیجئے! رات کو سونا ہے یا ڈرل کرنی ہے۔“ جواب ملا: ”ابھی آخری حکم نہیں ملا ہے، شاید ڈنٹر پیلنا پڑیں۔“ یہ انکشاف سب کیلئے سانپ کی آمد سے زیادہ پیشان کن تھا۔ سانپ کیلئے ”سنیک ٹرنچ“ میں سے گذرنا مشکل تھا، لیکن ”پش اپ“ یعنی ڈنٹر پیلنے کے احکام بن بلائے مہمان کی طرح نازل ہو جاتے اور ان کی میزبانی، مہمان کی منشاء کے مطابق لامحدود وقت تک جاری رہتی۔۔۔ سارے دن کی تھکن تھی۔ جی چاہتا تھا کہ کسی غار میں گھس جائیں۔ ادھر کھلا آسمان اور خنک ہوا ہمیں زندہ رکھنے کا تہیہ کئے ہوئے تھی۔

پی ایم اے سے روانہ ہوتے وقت ہم نے احتیاطاً دو کمبل ساتھ رکھ لئے تھے۔ جبکہ

اکثریت ایک کمبل لے جانے پر تلی ہوئی تھی۔ رات کو جب ٹھنڈی ہوا چلی تو ہم نے سوچا کہ زائد کمبل اٹھانے کی محنت کام آگئی۔ دو کمبل اوڑھ کر مزے سے نیند پوری کرینگے۔ ہمارے ہمسائے دو کمبل دیکھ کر ایسی باتیں کرنے لگے کہ ہمیں انکے منہ میں پانی بھر آنے کا یقین ہو گیا۔ ایک انار سو بیمار کا مشہور محاورہ تقریباً پچیس فی صد تک ہم پر اثر کر رہا تھا۔ سوال یہ تھا کہ انار میں سو سے زیادہ دانے ہوتے ہیں، ایک ایک دانہ فی بیمار کے حساب سے بانٹا جائے، تو وقتی طور پر مسئلہ ٹھپ ہو سکتا ہے۔ لیکن ایک کمبل سے سب کی تسکین کیسے کی جائے؟ جوں جوں ہوا کی خنکی بڑھتی، ہمارے زائد کمبل کی قیمت حصص ''شوٹ'' کرتی گئی۔ ایسے مرحلے پہ کمبل کو چھوڑنا خود اپنی قیمت حصص کو صرف کرنا تھا۔ لہٰذا طے یہ پایا کہ زائد کمبل اس انداز سے استعمال کیا جائے کہ ہمارے دائیں بائیں آرام فرمانے والے کیڈٹ بھی مستفید ہو سکیں۔ کمبل کا مسئلہ طے ہوتے ہی ہم زمین پر دراز ہو گئے۔ فوراً بائیں جانب سے آواز آئی۔ یہ ذرا کمبل کے نیچے سے پتھر نکال دینا۔ ہم نے کمبل اٹھایا، تو خاصی ہموار جگہ تھی۔ ہمسائے کا اصرار تھا کہ کمبل کے نیچے پتھر ہے جو ریڑھ کی ہڈی کے درمیانچے کو ضرب پہنچا رہا ہے۔ انہوں نے خود موقع ملاحظہ کیا۔ پتھر ندارد! تاہم کیڈٹ کی تکلیف کا اندازہ ہو گیا۔ یہ درد تھا جس کی

تکلیف پتھر کی ضرب سے ہم آہنگ تھی۔ ہماری پلاٹون میں ایک کیڈٹ کی تعلیم میں مع تجربہ ڈینٹل ڈاکٹری بھی شامل تھی۔ بھاگے بھاگے گئے اور انہیں بلا لائے۔ ایک کیڈٹ نے ''ہائے'' کی اور دوسرے نے اپنے پرانے پیشے کیڈرل کے مطابق اس کا منہ چوپٹ کھول دیا اور ٹارچ سے دانتوں کا معائنہ کرنے لگے۔

''کہاں درد ہو رہا ہے۔'' ڈاکٹر نے پوچھا۔

''جی۔۔۔جی۔۔۔یہ ادھر۔'' کیڈٹ کی آواز آئی۔

''کہاں؟ بھئی تمہاری تو عقل داڑھ بھی نہیں نکلی!'' ڈاکٹر نے نیند میں بات کی۔

''شاید آج عقل داڑھ نکلنے کیلئے ریڑھ کی ہڈی میں نقب لگا رہی ہے۔قریب ہی کھڑے ہوئے ایک کیڈٹ نے تبصرہ کیا اور قبرستان کی خاموشی کو نوجوان قہقہوں نے پارہ پارہ کر دیا۔

روٹ مارچ میں پڑاؤ کے مقام پر کیڈٹ سنتری کی ڈیوٹی ادا کرتے ہیں۔اصل ذمہ داری کیڈٹ کمانڈر کی ہے جو رات کی سیاہی پھیلنے سے پہلے یہ ڈیوٹی لگا دیتا ہے۔ روٹ مارچ کی پہلی رات کیلئے چند ڈیوٹی کیڈٹ مقرر تھے۔ایسی ڈیوٹی کیلئے سب سے زیادہ دل شکن اوقات آدھی رات کے اردگرد ہوتے ہیں۔ابھی نیند کی پہلی چوتھائی ہی

مکمل نہیں ہوتی کہ جگا دیا جاتا ہے۔ دو گھنٹے ڈیوٹی ادا کی اور جب اپنے زمینی بستر کا رخ کیا، تو ریگستان کے ٹیلے کی مانند اپنے بستر کو غائب پایا، رات کے وقت شور مچانے کی ممانعت ہے۔ کیڈٹ بے چارہ کس کس کے پاس جائے؟ تمام کمبلوں کا رنگ ایک ہے، سوئے ہوئے کیڈٹوں کو تفتیش کیلیے جگانا ایک نئی پریشانی کو دعوت دیتا ہے، لہٰذا وہاں عقل مندی کا تقاضا یہی ہے کہ جو کیڈٹ ڈیوٹی دے رہا ہے، اسکے بستر میں گھس جاؤ اور پھر دوسرے کے بستر میں! گھس بیٹھ کا یہ سلسلہ رات ختم ہونے تک جاری رہتا ہے۔

پہلی رات بے پناہ سردی کے ساتھ مسلسل بھوک کا تحفہ بھی لائی۔ ہم نے خاصی ٹھوس غذا چبائی، لیکن بھوک کا آسیب برابر اپنے کرشمے دکھاتا رہا۔ اس آسیب کا واحد توڑ نیند کے منتر تھے جنہیں پڑھنے کا ماحول بھی موجود تھا۔ مثلاً قبرستان کی خاموشی، سانپ کی متوقع آمد کا احساس اور درد سے بدن کے مختلف اعضاء کی آہ وزاری وغیرہ۔ قبرستان کی خاموشی کبھی کبھار کسی چرند پرند یا کیڈٹ کی نقل وحرکت سے ٹوٹ جاتی۔ اچانک بادلوں کی گرد نے ہمیں چوکنا کردیا۔ الہٰی! خیر ہو! بارش آ گئی، تو کہاں جائیں گے، اس قبرستان میں تو کوئی چھتا ہوا مقبرہ بھی نہیں جہاں پناہ لے سکیں۔ گرج کے

ساتھ بجلی چمکی، تو یقین ہوگیا کہ بارش ضرور آئے گی، لیکن بجلی کی چمک، بادل کی گرج اور بارش کا خوف کیڈٹ کی نیند کو متاثر نہیں کر سکتا، تاہم بادلوں کے قافلے سے یہ درخواست کرنی پڑی۔۔۔۔(میر تقی میر سے معذرت کے ساتھ) ع

سرہانے کیڈٹ کے آہستہ گرجو

ابھی ٹک ہنستے ہنستے سوگیا ہے

اس رات بادلوں نے شاید کیڈٹوں کو ستانے کی قسم کھا رکھی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے بوندا باندی شروع ہوگئی۔ کمبلوں کے نیچے سویا ہوا کیڈٹ برابر سو رہا تھا۔ بادلوں سے یہ مستی دیکھی نہ گئی۔ اب وہ برس رہے تھے۔ ہم نے برساتیاں اوڑھ لیں اور دوبارہ لیٹ کر کھوئی ہوئی نیند ڈھونڈنے لگے۔ بارش اور تیز ہوگئی۔ سب ایک دوسرے کو پکار رہے تھے، اٹھو! بارش آگئی، بارش آگئی، دس منٹ کے بعد بارش کے ساتھ پانی بھی آگیا۔ کاکول کے نزدیکی علاقوں میں بکثرت برساتی نالے پائے جاتے ہیں۔ معمول بارش سے ان میں سیلاب کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ہم سب ایک ایسے ہی برساتی نالے کے قریب براجمان تھے۔ سامان سمیٹا، کمبل تہہ کئے، لیکن انہیں چھپانے کی جگہ کوئی نہیں تھی، ہم بھیگ رہے تھے اور سامان بھاری ہو رہا تھا۔ خصوصاً کمبلوں کا

وزن ''ڈبل'' ہوگیا۔ بارش کے پانی نے کھانے پینے کے سامان پر خاص نظر رکھی تھی۔۔۔ وہ تھوڑی سی تگ و دو کے بعد اسے ورغلانے میں کامیاب ہوگیا۔ کیڈٹ کے سامنے اس کا لنچ اور ڈنر پانی پر سواری کر رہا تھا۔ شاید اسے ہمارا کندھا پسند نہیں آیا۔ دال ماش سرِ عام اٹھکیلیاں کر رہی تھی، بھنا ہوا گوشت یوں بھاگ رہا تھا جیسے اس میں دوبارہ جان پڑ گئی ہو، الغرض کس کس کا ذکر کریں! سب ہمارا ساتھ چھوڑ گئے۔ ہم ہاتھ میں صرف رائفل تھامے ناگہانی برسات کا رین کوٹ سے مقابلہ کر رہے تھے۔ یہ رین کوٹ بھی تھوڑی دیر کے بعد برساتی بن گیا۔ اب پانی ہمیں آدھی رات کو نہلانے پر تلا ہوا تھا۔ بہت ہاتھ پاؤں مارے تاکہ غسلِ صحت سے اپنی جان بچائیں، لیکن ایک نہ چلی، اس رات سب نہا رہے تھے، چاروں طرف دھوبی گھاٹ کا سماں تھا اور پہلی رات کی برسات نے ہمیں بھٹی پر چڑھا رکھا تھا۔ کسی نے افواہ اڑائی کہ روٹ مارچ ''کینسل'' ہوگیا ہے۔ سب خوش ہوگئے اور اسی خوشی میں مزید دو گھنٹے کی بارش برداشت کرلی۔ یقین جانیئے! اس ماحول میں پی ایم اے کاکول کے شب و روز بہت یاد آئے۔ فرنٹ رول، فراگ جمپ، ڈرل، پی ٹی اور السلام علیکم سر! کی گردان بار بار یاد آ رہے تھے۔ کاش وہ وقت لوٹ آئے! ع

اے بسا آرزو کہ خاک شد

ہم فارسی کے اس مشہور و معروف مصرعے کی عملی تفسیر بنے ہوئے تھے۔ رات ختم ہوئی اور صبح کی روشنی میں سب نے سامان تلاش کر کے پیک کیا۔ پھر ''بریک فاسٹ'' کی فکر ہوئی۔ کیڈٹ کی آنکھیں اس فکر میں مزید لال ہو رہی تھیں۔ دل کباب تھا۔ کھانے کے لئے صرف دماغ رہ گیا تھا۔ ایک دوست نے لڑکھڑائی ہوئی زبان سے یہ کوشش بھی کی۔ تاہم سرد ماحول نے انہیں ٹھنڈا کر دیا۔ وہ بھی مجبور تھے۔ برسات انکا کمبل لے اڑی۔ ناشتے کو پانی بہا لے یا۔ سرکی ٹوپی ڈانگری کی جیب میں ڈال کر بھول گئے۔ ادھر پلاٹون کا قافلہ ان کیلئے چل پڑے۔ خوش قسمتی سے ایک اور کیڈٹ کی نگاہ ان کی ڈانگری کی لیگ پاکٹ پر جم گئی۔ جہاں چیونٹیوں کا ایک قافلہ آمد و رفت میں مصروف تھا۔ ابتدائی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ ڈانگری کی لیگ پاکٹ میں کھویا خاصی مقدار میں ڈمپ Dump تھا۔ بارش کے پانی نے یہ راز افشاء کر دیا۔ برسات کیوجہ سے چیونٹیوں کو بھی کسی پناہ کی تلاش تھی، ڈانگری کی میٹھی جیب ان کے لئے محل ثابت ہوئی۔

صبح سویرے قطار بندی کا مقصد ہمیں نئے احکام سے آگاہ کرنا تھا، نئے احکام سے

روٹ مارچ منسوخ ہونے کی افواہ ہوائی ثابت ہوئی۔ ہم اس کیڈٹ کے معترف تھے جس نے ایسے برساتی ماحول میں ہوائی اڑا دی۔

کیڈٹ کے محبوب لباس ڈانگری کا مفصل ذکر پہلے کیا جا چکا ہے، اس کی ''لیگ پاکٹ'' ابھی تعارف کی محتاج ہے۔ کاکول میں کیڈٹ کی ''عمارت نوساخت'' کا عمل رسمِ ڈانگری پوشی سے شروع ہوتا ہے۔ آغاز میں ایک ہی سائز کی ڈانگری سب کے حوالے کردی جاتی ہے، اب یہ کیڈٹ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی وضع قطع اور ڈھانچے کے مطابق ڈانگری کی قطع و برید کروالے۔ لیگ پاکٹ اس قطع و برید سے قطعی عاری ہے۔ اسے جہاں ''فکس'' کردیا گیا۔ وہاں سے وہ ہل نہیں سکتی۔ کچھ ڈانگریاں اپنی لیگ پاکٹ کیوجہ سے کیڈٹ کے لئے وبال جان بن جاتی ہیں، کیونکہ جہاں کیڈٹ کے ہاتھ کی رسائی ختم ہوجاتی، وہاں سے نصف ہاتھ آگے لیگ پاکٹ کے آثار نمایاں ہوتے۔ تاہم اکثر ڈانگریوں میں یہ پاکٹ موقع تھی اور اس میں کیڈٹ ہنگامی ضرورت کا جملہ سامان رکھ سکتا تھا۔ کئی کیڈٹوں کا خیال تھا کہ ڈانگری کی یہ بھرپور پاکٹ ازخود حرکت کرے گی، لیکن بعدازاں جب روٹ مارچ میں اس پاکٹ نے بائیں ٹانگ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، تو صورتحال نازک ہوگئی اور

کیڈٹ کیلئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ دشمن کے نرغے میں آئے ہوئے ہوائی جہاز کی مانند پٹرول کی ٹنکیاں گرادے۔کیڈٹ کی یہ ٹینکیاں جن کے پیمانہ صبر اشیائے خوردنی سے لبریز تھے، ایسے بے فکروں کا بہت بڑا سہارا تھیں جن کی جیبیں روٹ مارچ میں بھی خالی تھیں۔

روٹ مارچ کے دوسرے روز کے صبح عالم برسات میں ہوئی، چاروں طرف سے جل تھل کا حسین منظر۔اوراس حسین منظر کو اجاگر کرنے کیلئے ''کینولیس'' کا رول ہم ادا کررہے تھے۔آہ! بے چارہ کینولیس جو مصور کی من مانی خوشیوں کی خاطر اپنی شکل کا بگاڑ قبول کرلیتا ہے۔صبح ہوتے ہی شیو کی۔رات بھر کی بارش نے ضرورت سے زیادہ حجامت بنادی تھی۔تاہم ڈرل پوری کرنا لازمی تھا اور بالخصوص کاکول میں کیڈٹوں کیلئے شیو کا شمار بریک فاسٹ، لنچ اور ڈنر کے زمرے میں ہوتا ہے۔لہٰذا اگر کوئی صاحب سورج نکلنے سے قبل آپ سے شیو کیلئے پانی کا تقاضا کریں، تو گھبرانے کی ضرورت نہیں۔سمجھ لیجئے کہ موصوف ابھی کاکول میں مصروف عمل ہیں یا تازہ برآمدگی ہیں۔ روٹ مارچ کی پہلی شیو کیلئے پانی کیکھی نہیں تھی۔تاہم اسے چھونے کیلئے حوصلہ عنقا تھا۔ اب ہم نے ایک ہاتھ سے برش پکڑا اور آنکھیں بند کرکے چہرے پر رگڑنے

لگے۔ کپکپاتے ہوئے ہاتوں میں صابن آلود برش نے کیڈٹ کے چہرے کو تجریدی آرٹ کا نمونہ بنادیا۔ چہرے پر برش کی پھسلن شاید اتنی خطرناک نہیں تھی جتنا یہ اندیشہ کہ اگر سیفٹی ریزر نے ہمارے ساتھ یہی سلوک کیا، تو کیا کریں گے؟ آئینہ سامنے تھا، لیکن اس میں جھانکنے کی ہمت نہ تھی۔ بہرحال سیفٹی ریزر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور آفات سے بچاؤ کی جملہ دعائیں زیرِ لب دہراتے ہوئے اسے کام میں لے آئے۔ وہ دو تین جگہ سے چہرے کو کھرچ کر آگے نکل گیا۔ زخم کو کھرچ کر آگے نکل گیا۔ زخم کو فوراً ٹھنڈا پانی دکھایا اور خون مارے سردی کے وہیں جم کر رہ گیا۔ کیڈٹ کی یہ ساری کارروائی صرف ڈیڑھ منٹ میں مکمل ہوگئی۔ اب اسے سب سے بڑی تلاش ناشتے کی تھی جس کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ ناتجربہ کاری نے اس فکر میں مزید چار چاند لگادیئے۔ برسات کا ٹھنڈا پانی تھا۔ لہٰذا اس میں چائے پکانے کا سوال بے معنی تھا۔ چائے کی پتہ ہو یا چینی، دودھ خشک ہو یا مائع، سب برسات کے رواں دواں پانی سے ہم آغوش تھے۔ اس وقت ہمارے نزدیک سب سے بڑا مسئلہ ناشتہ تھا، اس مسئلے کی سنگینی اس وقت اور بڑھ گئی جب روٹ مارچ جاری رکھنے کے احکامات ملے۔ احکام کی تفصیل یہ تھی کہ پلاٹون آدھ گھنٹے بعد نقشے کے مطابق جانب منزل سفر شروع کردے

گا۔ہم سوچ بچار کے اتھاہ سمندر میں غوطہ زن تھے۔اسی عالم میں ہم نے یہ منظر دیکھا کہ ہر طرف بریک فاسٹ کا سماں ہے۔قریب ہی گاؤں کی انگیٹھیوں سے نکلتا ہوا دھواں گواہی دے رہا تھا۔ برسات کا ناشتہ اور سب کو بے اختیار گھر یاد آ گئے جہاں اشارہ ملنے پر پراٹھے،انڈے،دودھ اور حلوے دستر خوان پر یوں صف بستہ کھڑے ہو جاتے جیسے ہم پریڈ گراؤنڈ میں خاص دن تیاری کر کے صفیں ترتیب دیا کرتے تھے۔

دستر خوان اور پریڈ گراؤنڈ ...... یہ کیا بات ہوئی؟ ذہن میں خیالات گڈمڈ ہو گئے۔سامنے درخت پر ایک چڑیا اپنے بچے کے منہ میں دانہ ڈال رہی تھی۔ یہ بھی ہماری طرح برسات زدہ تھے،لیکن برسات کے باوجود چڑیا کہیں سے بچوں کیلئے ناشتہ لے آئی۔ناشتہ کرنے کے بعد چڑیا کا یہ کنبہ پر پھیلا کر برسات کے اثرات دور کر رہا تھا۔پلاٹون کی روانگی میں دس منٹ رہ گئے کہ ہمارے ایک دوست بھاگے بھاگے آئے اور کہنے لگے:"آؤ ناشتہ کریں۔"ہم سمجھے کہ شاید برسات اس میں بھی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔پلاٹون کے"ڈاکٹر کیڈٹ" کا کہنا تھا کہ چائے نمونیہ اور ڈبل روٹی کے توس فالج کے دائمی مریض ہیں۔ہم نے سنی ان سنی کر دی اور ناشتہ ہڑپ کرنے لگے۔کیونکہ ہمارے دانت سلامت تھے۔سب سے زیادہ یہ کہ خود کیڈٹ کو

تیسرے درجے کی بھوک لگی ہوئی تھی۔ ناشتہ وہی ملا جو اکیڈمی میں میس کی ٹیبل پر ملتا ہے۔اس سے یہ فرق ضرور ہوا کہ بھوک تیسرے درجے سے کم ہو کر دوسرے درجے میں آ گئی۔

اسی اثناء میں ایک کیڈٹ نے بازو دبایا۔ ہم نے مڑ کر دیکھا تو ایک اور صاحب اشارے سے قریب بلا رہے تھے۔ قریب پہنچے، تو کان میں فرمانے لگے اور ناشتہ کرو گے؟ اندھے کو کیا چاہیے، دو آنکھیں! ہم ساتھ چل پڑے۔ قریب ہی ایک جگہ پر انہوں نے ناشتہ کی خفیہ کمین گاہ بنا رکھی تھی، جب ہم نے سرسری نگاہ ڈالی، تو مرغی کے لیگ اور ایگ دونوں موجود تھے۔ یہ کہاں سے آئے؟ ہم نے فوراً پوچھا۔ کیڈٹ نے جواب دیا۔ کھانے پر دھیان رکھو۔ بہرحال ہمارے اصرار پر انہوں نے اپنے بازوؤں سے ''مسٹر پاکستان'' کا مشہور پوز بنایا اور کہنے لگے: ''یہ محنت کی کمائی ہے۔''

''محنت تو ہم نے بھی ساری رات کی ہے۔''

''غلط، بالکل غلط! تم برسات میں سنتری کی طرح کھڑے رہے اور میں سیلاب زدگان کی امداد کرتا رہا۔''

''کون سے سیلاب زدگان؟'' ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی۔

”کون سیلاب زدگان؟ واہ جی واہ! وہی جنہیں تم شادی کے مرغ سمجھ کر بے دردی سے نگل رہے ہو۔“ کیڈٹ نے لقمہ اٹھاتے ہوئے جواب دیا۔

یہ جواب پاتے ہی چند لمحوں کیلئے ہم سکتے میں آ گئے۔ جب بات سمجھ میں آئی تو زوردار قہقہہ بلند ہوا۔ خود سیر ہو کر یہ فیصلہ کیا کہ سب کی دعوت کی جائے۔ پلاٹون کے جو کیڈٹ جمع ہو سکے، انہیں انکے خرچ پر دعوت دی۔ ابھی من وسلویٰ ہاتھ میں تھا کہ آواز آئی: ”ہری اپ۔“ پلاٹون والا ہے۔ کیڈٹ نے ”من وسلویٰ“ پھینک دیا اور خالی ہاتھ چلنے لگا۔ ”من وسلویٰ“ دوبارہ پانی پر بہہ رہا تھا۔ لیکن اس کی مدد کرنے والا کوئی نہیں تھا۔

سردیوں کی بے موسم برسات نے روٹ مارچ کا سارا مزا کرکرا کر دیا۔ ہمارے پلاٹون کا طول مزید بڑھنے لگا۔ پہلے اور آخری کیڈٹ کے درمیان فاصلہ ہر میل کے بعد دراز ہو رہا تھا۔ قدم اٹھاتے ہوئے سارے جسم میں درد کی لہریں اٹھتیں اور بلا روک ٹوک دماغ کے ساحل سے ٹکرا کر دوبارہ پاؤں میں گھس جاتیں۔ ہمارے بوٹوں کیلئے طویل سفر کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ ابھی انکی عمر ہی کیا تھی؟ اکیڈمی میں بوٹوں کے ”میک اپ“ پر خاص توجہ دی جاتی تھی۔ ہم نے بچشم خود یہ منظر دیکھا کہ ذمہ دار شخص بوٹوں کو

گود میں لئے صاف کر رہا ہے جیسے بچے کو زبردستی منجن کرایا جاتا ہے۔ آدھ گھنٹے کے بعد بوٹ کی چمک دمک میں یکا یک اضافہ ہو جاتا اور بعض اوقات کیڈٹ لوگ اس چمک سے آئینے کا کام لے کر اپنے بال وغیرہ بھی درست کرلیا کرتے تھے۔ آج حالت یہ تھی کہ بوٹ کو گود میں لینا تو درکنار، اسکی اصلی صورت بھی بگڑی جا رہی تھی۔ گیلی مٹی میں لپٹا ہوا بوٹ گذشتہ کئی روز سے ہمارا اٹوٹ انگ بنا ہوا تھا۔ اس اٹوٹ انگ نے کیڈٹ کے پاؤں کا انگ انگ انگارہ بنا دیا۔ پہلے ہم سمجھے کہ شاید نئے بوٹ کی وجہ سے کیل ہنگامہ کر رہے ہیں، لیکن جب تلوے کے ساتھ ساتھ پاؤں ناقابل بیان درد محسوس کرنے لگے، تو معلوم ہوا کہ سارا بوٹ ہی آمادہ بغاوت ہے۔ اس باغی سے پیچھا چھڑانا ناممکن تھا۔ بوٹ کے اندر جراب نے ہمارا ساتھ نہیں دیا اور پچیس تیس میل کے بعد بوٹ اور پاؤں کے درمیان کی یہ سیاہ دیوار خود بخود گھس گئی۔ روٹ مارچ کے تسرے روز احکام بالا کے مطابق جب بوٹ اتارنے کا حکم ملا، تو جراب نے واپس آنے سے انکار کر دیا۔ پلاٹون کمانڈر کی آمد سے قبل جراب کی صحت چیک کی، تو صحت کجا، خود اسکا وجود نا پید تھا۔ بلبلوں کو دیکھ کر شاعر کے "آبلہ پا" کی حقیقت سے آگاہ کر دیئے! کالج کے خوبصورت غالیچے پر "آبلہ پا" کا ذکر چہ معنی دارد؟ بوٹ اتارنے

پر دیکھا کہ مختلف اقسام کے آبلہ پا جا بجا دہک رہے ہیں۔ دہکنے کے انداز سے ان کے "دردِ جاناں" کی گہرائی کا احساس ہوتا تھا۔ شاعر کے لئے "آبلہ پا" کوچہ محبوب کا پاسپورٹ یا تحفہ ہے۔ لیکن کیڈٹ کو آبلہ پا کی نمائش کے بجائے اس کی "بربادی" کا زیادہ خیال رہتا ہے۔ وہ خار کی تلاش میں رہتا ہے تاکہ "آبلہ" کو "پا" سے جدا کر کے سکون حاصل کر سکے۔

سردیوں کی برسات بھی ہمارے روٹ مارچ کی طرح بڑھتی ہی چلی گئی۔ اب لنچ سے زیادہ فکر یہ تھی کہ رات کو آرام کہاں کریں گے۔؟ اللہ کی زمین ہمارے لئے تنگ نہ تھی، بلکہ پانی کے بے حساب وجود سے اونچ نیچ کا فرق مٹ چکا تھا۔ دوپہر کے وقت حالت یہ ہوگئی کہ قدم بڑھاتے ہوئے دل میں ہزار وسوسے جنم لیتے۔ ہمیں شہر کے کسی کھلے مین ہول میں گرنے کا اتفاق نہیں ہوا، اس لئے روٹ مارچ میں اپنا شمار نا تجربہ کاروں میں کرتے رہے۔ یہاں قدم قدم پر وسیع و عریض مینہول پانی میں چھپے کیڈٹ کی تلاش میں تھے۔ ہمارا قدم بڑھا اور روئے زمین خالی است۔ "یہ زمین کدھر گئی؟" یہ خیال چند سیکنڈ کے لئے ذہن میں لرزتا اور اسکے ساتھ ہی زمین سے بغل گیری کا فیضہ سرانجام دیتے۔ اس زمانے میں معمولی چوٹ لگنے سے زندہ ہونے کا

یقین ہو جاتا۔ لہٰذا روٹ مارچ میں چلتے چلتے گرنا، گر کر اٹھنا اور پھر گرنا اور دوسروں کا اٹھانا ہمیں بے حد مرغوب تھا۔ دوسرے روز نوبت یہ پہنچی کہ پانچ دس منٹ کے لئے ریسٹ ملنے لگا۔ ریسٹ کے یہ لمحات خوشی و مسرت کیا ایسی گھڑیاں تھیں کہ جن کی قدر و قیمت کا احساس کیڈٹ یا کسی بے آباد علاقے میں گمشدہ آدمی کو ہو سکتا ہے۔ ریسٹ کا حکم ملتے ہی پہلی کوشش یہ ہوتی کہ کسی اونچی جگہ کے پہلو میں بیٹھ جائیں تا کہ کمر کو آرام دیا جا سکے۔ جو کیڈٹ اس نعمت غیر مترقبہ سے محروم رہتے وہ پشت پر لدے ہوئے کمبلوں وغیرہ سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیا کرتے تھے۔ چند منٹ اچھے گذرتے، آرام کی اس مدت کا انحصار پلاٹون کے طول پر تھا۔ پہلے کیڈٹ کو حکم ملتا: ''ریسٹ!'' وہ صاحب فوراً ''فنا فی الارض'' ہو جاتے۔ اسی طرح باقی قطار بھی پہلے کیڈٹ کے ہم پلہ ہو جاتی۔ ہم پیالہ یا ہم نوالہ بننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ روٹ مارچ کے عملی مظاہرے میں پیالہ یا نوالہ فانی ہو چکا جو ادھر ادھر سے دستیاب تھا، اسے برسات نے تر نوالہ بنا دیا تھا۔ ہاں یاد آیا، آرام کے ان لمحات میں کیڈٹ کمانڈر کی ذمہ داری تھی کہ وہ گنتی کر کے او کے رپورٹ دے۔ ہم نے شاید ہی کسی روز خود اسے او کے دیکھا۔ کمانڈر بننے کی ذمہ داری روزانہ تبدیل ہوتی۔ نیا کمانڈر بڑے عزم و استقلال

کے ساتھ چارج سنبھالتا، اور پھر اسے آگے بڑھنے کے ساتھ جھومتے ڈولتے کیڈٹوں کی گنتی بھی کرنا پڑتی تھی۔ یہ بات دل کو نہیں لگتی۔ تاہم حقیقت سے پہلوتہی بھی ناممکن ہے۔ اکثر یوں محسوس ہوتا کہ پاؤں آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ ریورس گیئر، گاڑی میں دیکھا ضرور تھا۔ لیکن انسان کے جسم پر اسکے اثرات کا تجربہ پہلی مرتبہ محسوس کیا۔ اسی طرح پاؤں دائیں بائیں بلا جواز حرکت کر جاتے۔ جب غور کیا تو معلوم ہوا کہ قصور پاؤں کا نہیں، بلکہ فتور دماغ کا ہے۔ موصوف چکر لگاتے ہیں اور پاؤں "فتور" کی تھاپ پر رقصاں ہیں۔ ایک کیڈٹ نے اسی عالم رقص میں جب زمین کے بوسے لئے، تو گرم لہو چہرے سے ٹپ ٹپ گرنے لگا۔ دل بھر آیا، کیڈٹ کو زمین سے اٹھایا، ٹھنڈے پانی سے خون روکا، جو بہہ چکا تھا۔ وہ دیکھتے ہی دیکھتے پانی میں مل گیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد خون کا رنگ سفید، بالکل سفید ہو گیا۔ کیڈٹ چوٹ کی تکلیف سے بے نیاز قدم سے قدم ملائے آگے بڑھ رہا تھا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد قیلولہ سنت نبویؐ ہے۔ جب تک ہمارا قیام اکیڈمی کے اندر رہا، ہم اس سنت پر پوری طرح عمل پیرا رہے۔ ہمیں یقین تھا کہ روٹ مارچ میں کم از کم قیلولہ کا موقع تو مل ہی جائے گا۔ کیونکہ بہرحال ہم کیڈٹ تھے۔ روٹ مارچ

کے پہلے روز تو صبر کیا کہ شاید کسیکو یاد نہیں رہا، مگر دوسرے روز جب دوپہر کا کھانا شام کیچائے سے ذرا پہلے ملا، تو طبیعت مائل بہ قیلولہ ہوگئی۔ قوت برداشت کی ایکحد ہوتی ہے۔ ہمارے بس میں ہوتا تو یہ حد کب کی پوری ہو جاتی۔ لیکن اب معاملہ انسانی لبادہ اوڑھے ہوئے معصوم صورت کا تبان تقدیر کے ہاتھ میں تھا جو گرجتی برسات، چلچلاتی دھوپ اور کڑکڑاتی سردی میں بھی کیڈٹ پر آنکھ اور اپنی پاکٹ ڈائری پر قلم رکھے ہوئے تھے۔ یہقلمرو دواں ، بلکہ جاوداں تھا۔ خدائی کا تبان تقدیر کے برعکس یہلوگ اپنے منہ میں زبان بھی رکھتے تھے۔ جو ہمیشہ ولایتی انداز میں یوں چلتی کہ ہمارے طوطے اڑ جاتے۔ کیڈٹوں کی منڈلی میں اگر ایک دوسرے کو حوصلہ دینے کیروایت نہ ہو تو شاید کچھ نرم دلاپنے ماضی کو دوبارہ دل دے بیٹھیں۔ اکثر ایسا ہوا کہ روٹ مارچ میں چلتے چلتے ایک کیڈٹ نیصدا دی۔ یہ صدا وارث شاہ کی زبانی ہیر کی صدا سے ملتی جلتی تھی جسے آپ نے بھی کسی گلوکار کو درد بھرے انداز میں گاتے سنا ہوگا۔

ڈولی چڑھدیاں ماریاں ہیر کوکاں ۔

میںنوں لے چلے بابلا لے چلے وے

اس شعر کے پہلے مصرعے سے کیڈٹ مکمل لاتعلقی کا اعلان کرتا ہے، تاہم دوسرا مصرعہ روٹ مارچ کے دوسرے دن کسی کسی کے دل کا عنوان بنا ہوا تھا۔

بات قیلولے کی ہو رہی تھی۔ لنچ ملا، تو مارے بھوک کے جی چاہتا تھا کہ سب کچھ کچا ہی نگل جائیں۔ تاہم میس والے عقلمند نکلے، انہوں نے پکوا کر بھیج دیا۔ کھانا ملتے ہی بھوک دوچند ہوگئی۔ اچانک ایک جانب سے آواز آئی: چھری کانٹا۔۔۔ استعمال ہوگا۔ ہاتھ رک گئے، کیونکہ ہم کھانے پینے کے جدید ہتھیاروں سے مسلح نہیں تھے۔ چھری اور کانٹا دو عدد چمچوں سمیت ہمارے شریک سفر تھے۔ لیکن انکی "جائے آرام" ہماری پہنچ سے باہر تھی۔ بھوکا کیا نہ کرتا! سب ایک دوسرے کی مدد کرنے لگے۔ لہٰذا چھری کانٹے نکالنے کیلئے کیڈٹ ایک دوسرے کے پیچھے یوں بیٹھ گئے جیسے فٹ پاتھ پر حجام اور حجامت کرانے والا بیٹھتے ہیں۔ چھری کانٹا نکل آئے، ان کی شکل وصورت بگڑ گئی تھی۔ ایک کانٹا ایسا دیکھا جس کے صرف کانٹے سلامت تھے، دستہ غائب۔ خدا کا شکر ہے کہ اکیڈمی میں چند ہفتے کے قیام میں ہمارے ہاتھ چھری کانٹوں کے استعمال میں رواں ہو گئے اور روٹ مارچ میں کھانا تیزی سے نگل گئے۔ ورنہ شاید کانٹے ہی پر گذارا کرنا پڑتا۔

لنچ کھاتے ہی ہم خود کو دنیا کے خوش قسمت ترین انسانوں میں شمار کرنے لگے۔ مسرت کی ہلکی سی لہر آئی۔ مسکراتے چہرے جو گذشتہ کئی گھنٹے سے مسلسل چل رہے تھے اور جن پر سردیوں کی برسات کا سایہ تھا، کھل اٹھے۔ بادل چھٹ رہے تھے اور ڈوبتا سورج اپنے چاہنے والوں پر جلوہ نمائی کر رہا تھا۔ ندی کے دائیں کنارے کی بلندی پر ایک چھوٹے سے گاؤں کے بچے ہمیں دور سے تک رہے تھے۔ اب وہ نزدیک آ گئے۔ ان کے ہاتھ میں گڑ تھا۔ جسے وہ چاٹنے کے ساتھ ساتھ کھا بھی رہے تھے۔ ایک بچہ آگے آ گیا۔

"تم کیڈٹ ہو؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔۔ ہوں!" ایک کیڈٹ نے جواب دیا۔

سوال اور جواب سب نے سنا، پھر ایکدوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ منہ دیکھنا، شاید کسی محفل کی رسم ہو، لیکن ہماری عادت بن چکی تھی۔ کیڈٹ ایکدوسرے کا چہرہ دیکھ کر اندازہ لگا لیتے تھے کہ اپنے چہرے کی حالت کیا ہوگی۔

پلاٹون کے ایک ہونہار کیڈٹ کی سمجھ میں یہ مسئلہ نہیں آ رہا تھا کہ دور دراز گاؤں کے ایک بچے کو کیسے پتہ چل گیا کہ ہم کیڈٹ لوگ ہیں۔ ان کا اصرار تھا کہ یہ

کوئی چکر ہے۔ چکر کیا ہونا تھا۔ دراصل عرصہ دراز سے کیڈٹوں کے قافلے اس علاقے سے گذرا کرتے ہیں اور یقیناً کئی قافلے اس گاؤں کے اردگرد قیام کر چکے ہوں گے۔ لنچ کے بعد آرام کی خمار گھڑیاں طویل ہو رہی تھیں۔ کیڈٹ اپنی خوش بختی پر نازاں تھا۔ اس کی گول مٹول آنکھیں میر تقی میر کی نیم باز آنکھوں کی یاد دلا رہی تھیں۔ لیکن اس کی مستی کا راز شراب خانہ خراب نہیں، بلکہ رات بھر کی بیداری اور دن بھر کی آوارگی میں پنہاں تھا۔ تاہم سب کو مستقبل کی فکر تھی اور آخر کار ایک آواز گونجی:

"جنٹلمین گیٹ ریڈی" (...... تیار ہو جاؤ!) اس کے بعد رات کا سفر درپیش تھا۔ اندھیرا پھیلتے ہی کیڈٹ ایک دوسرے کے مزید نزدیک ہو گئے۔ کیڈٹ کو کیڈٹ نظر نہیں آ رہا تھا۔ تاہم لدے ہوئے سامان کی لٹکتی ہوئی رسیاں انہیں "بے مہار" ہونے سے بچائے ہوئے تھیں۔ رات کے وقت پلاٹون سے کٹ کر بھٹکنے کے نتائج میں جان کا خطرہ تھا۔ سب کو اپنی جان پیاری تھی اور یہی پیار کیڈٹوں کے اتحاد کی بنیاد تھا۔ پلاٹون کا گذر نیم پہاڑی علاقے سے ہو رہا تھا۔ جا بجا سانپ کی مانند لہراتے ہوئے ندی نالے اور پھن اٹھائے چٹانیں جو شاید کسی عظیم سلسلہ کوہ کا آثارِ قدیمہ تھیں۔ دن کے وقت جب ہم یہ راستے دیکھتے، تو یقین نہ آتا کہ انہی راستوں پر رات بھر چلتے

رہے ہیں۔

کیڈٹ کے حوصلے کا امتحان اب شروع ہوا۔ وہ مسلسل تین روز سے چل رہا تھا۔ یونیورسٹی کے آرام دہ ماحول میں پلا ہوا لڑکا زندگی کے عجیب تجربے سے دوچار ہے۔ فوجی افسر کو شانوں پر چمکتے ستارے لگائے سلیوٹوں کا لین دین کرتے دیکھا تھا۔ کبھی یہ سوچا بھی نہ تھا کہ راستے میں کاکول اکیڈمی کا سٹیشن بھی ہے، جہاں کمیشن کی گاڑی ایک خاص مدت تک ٹھہرتی ہے۔ کیڈٹ گاڑی کے ایسے مسافر کی مانند دکھائی دے رہا تھا جسے سفر کرنے کے بعد احساس ہوا کہ وہ شاید کسی اجنبی اسٹیشن پر آ گیا ہے۔

رات پڑتے ہی وہ اپنے ساتھیوں سے پوچھتا ہے:

''یار، ڈنر کب ملے گا؟''

''بات سنو! ہم کتنا چل آئے ہیں؟''

ان سوالوں کا جواب کون دے! دوسرا کیڈٹ بھی سوالیہ نشان بنا ہوا ہے۔ نفسانفسی ہے اور ساتھ ہی سب کو یہ فکر ہے کہ کوئی کیڈٹ گم نہ ہونے پائے۔ پلاٹون کمانڈر بھی اپنے اطمینان کے لئے ہر دس منٹ بعد گنتی کرا رہے ہیں۔ گنتی چلتے چلتے ہو رہی ہے، آخری کیڈٹ ون کہتا ہے اور اس کے بعد پہلے کیڈٹ تک سب گن

رہے ہیں۔ یہ بڑا آسان طریقہ ہے۔ آسان طریقے نے ایک دو مرتبہ پریشان بھی کیا۔ ایک صاحب عالم نیند میں ہم رکاب تھے۔ انہوں نے اپنے نمبر کے بجائے پچھلے کیڈٹ کا نمبر دہرا دیا۔ یہ غلطی پہلے کیڈٹ تک پکڑی نہ گئی۔ جب پلاٹون کمانڈر کو پتہ چلا، تو فوراً الٹ ہوا۔ گنتی ہوئی، تو سب پورے تھے۔ دل ہی دل میں شکر کیا کہ ہم گم نہیں ہو گئے۔ جس کیڈٹ نے غلطی کی تھی، وہ جاگنے کے ایسے تجربے سے گذرے کہ بعدازاں سونے کے وقت بھی اس ڈر سے جاگتے رہے کہ کہیں دوبارہ گنتی شروع نہ ہو جائے۔ خیر یہ باتیں سب کے ساتھ ہوتی ہیں۔ ان کی عدم موجودگی میں روٹ مارچ یادگار نہیں رہتا۔ روٹ مارچ کی کہ گاڑی آگے سرکتی رہی اور رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھا کر ہمارے آگے چلنے والے صاحب تمام راستہ کاکول کی مقامی شاعری کا یہ شعر گنگناتے رہے:

پی ایم اے کی گاڑی ہے پیارے
دن رات چلانی ہے پیارے

اس گاڑی کے دو انجن لگے ہوئے تھے۔ ایک پلاٹون کمانڈر جن کے رعب اور دبدبے میں ایسی مقناطیسی قوت تھی کہ کیڈٹ لوہے کے دبلے پتلے پارچوں کی طرح

انکی طرف کھنچے چلے جاتے۔ دوسرے تجربہ کار فوجی کیڈٹ پلاٹون کی گاڑی کے آخر میں اپنے ساتھیوں پر حوصلہ اور ہمت بڑھانے کے فوجی ٹوٹکے استعمال کرتے۔ ان کا وجود بہت بڑا سہارا تھا۔ پلاٹون کمانڈر نے انہیں صحیح مقام پر متعین کر رکھا تھا۔ روشنی کے بغیر یہ گاڑی رینگتی رہی۔ راستے میں کئی ڈبے کٹ جاتے، لیکن تجربہ کار فوجی کیڈٹ بھاگ دوڑ کر کے انہیں دوبارہ گاڑی سے جوڑ دیتے۔ اس کارروائی کی پلاٹون کمانڈر کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔

آدھی رات کے قریب محسوس ہوا کہ پلاٹون کا جھکاؤ نشیب کی طرف ہے۔ زمین کی ساخت سے اندازہ ہوا کہ کسی گہرے نالے میں اتر رہے ہیں۔ احتیاط سے اترو! گہرا نالہ ہے۔ یہ سرگوشی ہم نے سنی اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگے۔ انسانی سائے لہراتے نظر آ رہے تھے۔ اسکے علاوہ اندھیرے میں درخت، جھاڑیاں اور لانبی گھاس خاموش تماشائی تھے۔ نشیب میں اترنے کا یہ عمل جو زندگی میں پہلی مرتبہ کر رہے تھے، خاصا پریشان کن، بلکہ جان لیوا تھا۔ آخر کار پاؤں زمین پر لگے۔ ہمیں یوں محسوس ہوا جیسے پہیئے کھولے بغیر جہاز رن وے پر اتر گیا ہے۔ روٹ مارچ کے تسلسل میں فرق نہیں آیا، بل کھاتی پگڈنڈیوں، اونچی نیچی نوکیلی پہاڑیوں یا

کٹے پھٹے کھیتوں کے بجائے نیچے موٹے چکنے پتھر تھے۔ انکی شکلیں خاصے وزنی آم اور اناناس کی مانند تھیں۔ پاؤں رکھتے ہی یوں کھسک جاتے، جیسے وہ سخت مٹی کے بجائے صابن کا مرکب ہیں۔ کیڈٹ کئی بار ان راہوں پر چل چکا ہے۔ ہم ان سے گھبرانے والے نہیں تھے۔ لیکن ظالموں نے شور مچانا شروع کر دیا۔ ہمارا پاؤں پڑتا اور نیچے سے پتھر واویلا شروع کر دیتے۔ روٹ مارچ میں شور مچانا ممنوع ہی نہیں، بلکہ سنگین جرم ہے۔ پلاٹون کمانڈر نے یہ یاد دلاتے ہوئے مزید انکشاف یہ کیا کہ دشمن بھی نزدیک ہے، لہٰذا معمول سے زیادہ احتیاط کی جائے۔ اب پتھروں کے شور کو ترنم میں تبدیل کرنے کیلئے صرف یہی چارہ تھا کہ ان پر بوٹ چلانے کے بجائے دست شفقت پھیرا جائے۔ یہ ایک تھیوری تھی جسے عملی صورت دینا ناممکن تھا۔ کیونکہ ہمارے اعضاء کی ساخت اس کی اجازت نہیں دے رہی تھی۔ بہر حال ہم نے ہر ممکن کوشش کی کہ بوٹ سے کا آہستہ آہستہ چلا جائے تا کہ پتھروں کو یہ احساس ہو کہ ان پر دستِ شفقت پھر رہا ہے۔

ابھی چلنے اور پھرنے کے منصوبے ذہن میں ترتیب پا رہے تھے کہ اچانک حکم ملا: ''لیٹ جاؤ!'' لدے ہوئے سامان کے ساتھ لیٹنا بھی خاصا دشوار تھا، لیکن بہتر

مستقبل کی امید میں ہم نے دشواری قبول کی۔ لیٹتے ہی انکشاف ہوا کہ دشمن نزدیک ہے۔ لہٰذا رینگتے ہوئے ملاپ کا پلان ہے، مزید سوچ بچار فضول تھی۔ سب نے رینگنا شروع کر دیا۔ ہمارے نیچے سے پتھر، خاردار جھاڑیاں اور گیلی مٹی وغیرہ نکلے جا رہے تھے۔ گیلی مٹی سے محسوس ہوا کہ پانی بھی نزدیک ہوگا۔ پانی کا خیال آتے ہی سردی بڑھ گئی اور دائیں جانب سے ایک ہانپتی ہوئی آہستہ آواز یوں آئی: ''رائفل اونچی رکھو، آگے پانی ہے، پانی کا ڈر نہ تھا، کیونکہ گذشتہ دنوں کی برسات اوور بعد از برسات حالات نے کیڈٹ کو پانی کی فکر سے بے فکر کر دیا تھا۔ یہاں صورت حالات بالکل مختلف تھی۔ ہم پانی اور مٹی کے محلول میں رینگ رہے تھے۔ ایسے ماحول میں تیرنا یا چلنا ناممکن تھا۔ کیڈٹ دونوں کے درمیان گذارا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسی کوشش میں وہ ساحل سے جا لگا، یہ سامنے درختوں کا جھنڈ دشمن کی کمین گاہ تھی۔

موقع پر پہنچے تو دشمن کا نشان بھی نہ تھا۔ پتہ چلا کہ وہ ہماری آمد کی اطلاع پاتے ہی بھاگ گیا۔ ہم نے سوچا کہ دشمن عقلمند نکلا، ورنہ آج ڈنر اس کے پلے سے کرتے درختوں کا جھنڈ خاصا گھنا تھا۔ اس میں دیو قامت اور کیڈٹ قامت، غرض ہر سائز کے درخت موجود تھے۔ اکثر ایسا ہوا کہ ہم اپنی روداد سنا رہے ہیں، لیکن دوسری جانب گم سم

بت کھڑا ہے۔ ہم اپنا ہاتھ بلند کرتے ہیں۔ بھاگی کیا ہوا، بولتے کیوں نہیں؟ ہاتھ ایک سخت چیز سے ٹکرایا۔ اندھیرے میں آنکھیں کھلیں اور یہ محسوس کر کے شرمسار ہو گئے کہ ہم ایک درخت سے کیڈٹ کے شبہے میں محوِ کلام تھے، خیر، درخت بھی یاد کرتا ہوگا کہ کیسی مخلوق سے پالا پڑا ہے۔

کیڈٹ کو رات کا باقی حصہ یہیں گذارنا تھا۔ درختوں کے جھنڈ میں پانی کے جوہڑ برسات کو سینے سے لگائے براجمان تھے۔ کیڈٹ نے آرام کے اس ماحول کو غنیمت جانا اور اپنا اسباب اتار کر ٹانگیں پسار لیں۔ کمبل میں برسات جذب ہو چکی تھی۔ اسکا علاج مئی جون کی دھوپ کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ کیڈٹ نے ان کمبلوں کا تکیہ بنایا۔ چھاتی اور گھٹنوں کے فاصلے مٹ گئے۔ وہ گیلی زمین پر "گچھو" بن کر بے حد مسرور تھا۔ چیونٹیاں مٹرگشت میں مصروف نظر آئیں۔ شاید پانی انکے بلوں میں گھس گیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ باہر نکل آئی تھیں۔ چلتے چلتے وہ کسی کیڈٹ کے چٹکی لیتیں اور پھر سب کو یوں محسوس ہوتا جیسے ہمارے جسم پر چیونٹیاں رینگ رہی ہیں۔ برسات کی چیونٹیاں سراپا احتجاج بنی ہوئی تھیں جو سامنے آیا، اس میں سوئی اتار دی۔

کیڈٹ ساری رات چیونٹیوں سے خاصا بیزار نظر آیا۔ جسے دیکھو جھنڈ سے غائب

ہونے والے دشمن اور چیونٹیوں کے آباء واجداد اوران کے قریبی رشتہ داروں کی شام میں "مدح سرائی" کررہا ہے۔کیڈٹوں کا یہ مشاعرہ سورج نکلنے تک جاری رہا۔خلاف توقع آرام کے لمحات طویل ہورہے تھے۔آسمان سے بادل غائب تھے اور چمکتا سورج پریشان کن برسات کا مداوابن کرنکل رہا تھا۔ہم نے اپنے کمبل اور فالتو کپڑے سوکھنے کیلئے ڈال دیئے۔

تھوڑی دیر کے بعد ناشتہ آیا۔اس میں پراٹھے دہی اور حلوہ تھا۔ہم حیران و پریشان تھے کہ قدرت اتنی مہربان کیوں ہورہی ہے۔کیا روٹ مارچ کا انجام نزدیک آچکا ہے؟سورج کے ساتھ گرماگرم ناشتہ کہاں سے آیا ہے؟ آخری سوال کا جواب شاید دوتین کے سوا کسی کو معلوم نہیں تھا۔ہم نے جواب کی تلاش کی توانہوں نے پیسے مانگنے شروع کردیئے۔ہمارے پاس پیسے کہاں،صرف جان ہی باقی تھی اور وہ بھی "روٹ مارچ زدہ"۔بہرحال ناشتہ کے پیسوں پر اصرار بڑھ رہا تھا۔میں نے کہا:"اچھا بھائی،ناراض کیوں ہوتے ہو؟پلاٹون کمانڈر سے ادھار لے کر چکادیتا ہوں۔پلاٹون کمانڈر کا ذکر آتے ہی انہوں نے ہمارے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔خدا کے واسطے ہم پر رحم کرو۔وہ کانپتے ہوئے بولے،چھوڑو پیسے۔سمجھ لینا میں نے تمہاری

دعوت کی ہے، لیکن یہ دعوت راز رہے۔ ہم نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ ناشتے کی آمد راز ہی رہی۔

روٹ مارچ کا چوتھا دن اس لحاظ سے خوشگوار تھا کہ آغاز میں ہم نے خوب آرام کیا۔ نو دس بجے کے قریب چلنے کے احکام ملے اور پھر چلتے ہی رہے۔ دوپہر کے وقت بھوک اور پیاس نے دوبارہ تنگ کیا۔ بھوک کا علاج ہمارے پاس نہ تھا۔ تاہم پیاس بجھانے کیلئے نالی دار بوتل موجود تھی۔ دو تین گھنٹے کے بعد کوئی نخلستان آتا اور ہم بوتل دوبارہ بھر لیتے۔ روٹ مارچ میں ہمارا پلاٹون سب سے آخر میں چل رہا تھا۔ تیسرے روز بعد از دوپہر کچھ کیڈٹ ہمارے ساتھ آ ملے تھے۔ پتہ چلا کہ آگے چلنے والے پلاٹون سے کٹ گئے ہیں۔ ہم نے حوصلہ بڑھایا اور ہمت برقرار رکھنے کی رسمی نصیحت کی۔ اسکے علاوہ اور کر بھی کیا سکتے تھے۔ نیز ان پر یہ حقیقت واضح کیکہ اگر ہم سے کٹ گئے تو تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی اکیڈمی میں۔ وہ کہنے لگے: اگر آپ ہمارا سامان اٹھالیں، تو ہم نہ کٹنے کی قسم کھاتے ہیں۔ سودا مہنگا تھا۔ یہاں سامان وبال بنا ہوا تھا۔ کیڈٹ نیکی کر، دریا میں ڈال پر عمل کرنے سے گریز کر رہے تھے۔ اگرچہ ہم بھی پلاٹونگی گاڑی کے ان ڈبوں میں شمار ہوتے تھے جنہیں آگے چلانے کیلئے دوسرے انجن

کو زور لگانا پڑتا ہے، لیکن ہم نے دوسرے کیڈٹ کو بار برداری کی زحمت نہیں دی اور خود ہی قدم بہ قدم سوئے منزل بڑھتے رہے۔ سرِ شام ہی ایک قبرستان کے قریب پڑاؤ ڈال دیا۔ دور سورج دن بھر کی طویل مسافت کے بعد غروب ہو رہا تھا۔ ہم خوش تھے کہ سارے دن کی گرمی نے کمبلوں کو خشک کر دیا ہے اور آج رات آرام سے سوئیں گے۔ اندھیرا ہونے سے پہلے ہی بستر لگ گئے اور یوں لگا کہ ایک عرصے کے بعد چند دیوانے مل بیٹھے ہیں۔

انسان کو جب آرام کی چند گھڑیاں میسر آ جائیں، تو وہ مصیبت کے لمحات بہت جلد فراموش کر دیتا ہے۔ کیڈٹ بڑے بلند پایہ انسان تھے۔ ان کے قہقہے، چہرے کی مسکراہٹیں اور اندرون پلاٹون شرارتیں عروج پر تھیں۔ صبح ناشتے کی طرح ڈنر بھی آ گیا۔ دسترخوان بچھ گئے۔ مکئی کی روٹی کے ساتھ سرسوں کا ساگ ایسے پہلے کبھی نہ کھایا اور نہ کسی کو کھاتے سنا۔ دسترخوان پر کسی کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ یہی ساگ پلاٹون کو ادھ موا کر دے گا۔ ڈنر سے فارغ ہوئے اور رات کے پہلے پہر ہی کیڈٹ نیند کی وادی میں کھو گیا۔

نیند اور خواب لازم و ملزوم ہیں۔ روٹ مارچ کے دنوں میں گرجتی برستی برسات

کے ساتھ ساتھ میٹھے اور نمکین خوابوں کی بھی کثرت تھی۔ کیڈٹ کو عموماً اپنے ذہن پر رشک آتا کہ ایسے ماحول میں بھی جبکہ قبرستان میں بسیرا ہے، وہ پرواز ہے کام تیرا، کو اپنا نصب العین بنائے ہوئے ہے۔ برسات، ندی نالے، پیدل چلنا، بھوک، سردی، پیاس اور سب سے بڑھ کر ہماری پشت پر لدا ہوا سامان سب بے لگام ہوئے جا رہے تھے۔ ذہن کی بے لگامی اس لحاظ سے فائدہ مند تھی کہ نیند سے بیداری کے بعد کیڈٹ جب ایک دوسرے کو اپنے خواب مع تفسیر و تعبیر سناتے، تو دل انکی پرواز خیال پر عش عش کر اٹھتا۔ خیر! بے لگامی کے اس ماحول میں کیڈٹ کے پیٹ کو یہ خیال آیا کہ ایک رات کیلئے اس کے بھی بے لگام ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ کیڈٹ خوابوں کی دنیا میں گم تھا کہ اچانک پیٹ کی بغاوت کا علم ہوا۔ عام ماحول میں شاید کیڈٹ کو اتنی زحمت نہ ہوتی۔ وہ اکیڈمی میں داخل ہوتے ہی ایک ہفتے تک اس ناگہانی مرض میں مبتلا رہا۔ وہ اکیڈمی کے ہر اس کمرے اور دیگر کونوں کھدروں سے واقف تھا جہاں اس مرض سے وقتی چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے۔ روٹ مارچ میں صورتحال یکسر مختلف تھی۔ چاروں طرف گھپ اندھیرا، ہو کا عالم، رکی ہوئی برسات کا رینگتا ہوا پانی جس کی آمد و رفت کا ٹائم ٹیبل کسی کو معلوم نہیں تھا۔ ایسے ماحول میں کیڈٹ کیلئے قبرستان کے

نزدیک ہر جگہ جنت نما تھی۔ وہ چوتھے روز کے سورج کے انتظار میں ساری رات
کپکپاتا رہا۔ بے لگام پیٹ نے بے چارے کو تڑپا دیا۔ یہ مرض ایک خاص لباس کا
تقاضا کرتا ہے تاکہ موقع محل کے مطابق تیزی اور چستی دکھائی جائے۔ بدقسمتی سے
ڈانگری ایسا لباس مال روڈ کے چوراہے پر بیٹھی گائے کی مانند تھا۔ آپ لاکھ ہارن
بجائیں یا ٹریفک کانسٹیبل چالان کی پرچی نکالے، لیکن گائے جہاں ہے، وہیں رہے
گی۔ کچھ ایسی ہی صورتحال کا ہمیں سامنا تھا۔ بے لگام پیٹ کو لگام دینے کیلئے ڈانگری
سے جزوی رہائی ضروری تھی۔ جزوی رہائی ملتی تو ایک طرف اس نے کیڈٹ کو مزید
الجھا دیا۔ ہاتھ پاؤں چلائے، جیسے کوئی نوآموز پیراکی کی کوشش کر رہا ہو۔ کیڈٹ کی یہ
پریشانی سگ و نان کے کثیر استعمال کا نتیجہ تھی۔ بے لگام پیٹ پر ہاتھ رکھے، رائفل
کاندھے سے لگائے اندھیرے میں بھاگ رہے تھے۔ ابھی بمشکل دس قدم ہی چلے
ہوں گے کہ یوں محسوس ہوا جیسے زمین سرک گئی اور......اس کے بعد
......غڑاپ......آ آ آ......غڑاپ۔ ہم ایک پانی بھرے نالے میں گر پڑے۔ نالے کا
قد ہم سے بڑا تھا۔ لہٰذا باوجود کوشش کے پانی سر کے اوپر ہی رہا۔ بار بار پانی کی بالائی
سطح پر ابھرتے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر ہوا کیا ہے؟ یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟ کہیں یہ

خواب تو نہیں؟ نتھنوں میں گھسنے والے پانی نے واضح کر دیا کہ ڈوبنے کے خواب کی تعبیر نزدیک آ پہنچی ہے۔ ڈوب کر مرنے کا تصور، روحانیاور جسمانی دونوں لحاظ سے اعصاب شکن تھا۔ ذہن میں فوراً خیال آیا کہ یار دوست کیا کہیں گے ڈوب کر مر گیا۔ ہاتھ پاؤں برابر چلا رہے تھے۔ شاید اسی وجہ سے کوئی شے ہاتھ آ گئی۔ پہلے اس پر سانپ کا گمان ہوا۔ بعد میں پتہ چلا کہ درخت کی جڑ ہے۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کافی ہوتا ہے۔ ہمیں جڑ سہارا دے رہی تھی، اور جس کی جڑ مضبوط ہو، اسے کوئی فکر نہیں ہوتی۔ درخت کی جڑ کے ذریعے ایک جست میں ہم نالے سے باہر آ گئے۔ خدا کا شکر ہے کہ اندھیرے کی وجہ سے ہمیں اپنی حالت دیکھنے کا موقع نہیں ملا اور صرف محسوس ہی کر سکے۔ نالے سے باہر نکل کر سب سے پہلے رائفل چیک کی۔ جو نہا دھو کر بھی سلامت تھی۔

کیڈٹ کیلئے رائفل جان کا درجہ رکھتی ہے۔ ورنہ ایسے حالات میں رائفل کا ستھ چہ معنی دارد؟ کھیتوں میں جانے سے کسی نے نہیں روکا، بلکہ قسمت نے ایسے بے لگامی دکھائی کہ ہم قد آور نالے میں خود بخود جا پڑے۔ اور پھر یہی قسمت ہمیں نالے سے باہر نکال لائی۔ اپنے ہمسائے کیڈٹ کو روداد سنائی، وہ سن کر کہنے لگے:

"اس کے بعد کیا ہوا؟"

"ہونا کیا ہے! اب تمہارے سامنے کھڑا ہوں۔"

"کھڑے کس لئے ہو؟ سو جاؤ۔"

"گیلے کپڑوں میں سو گیا تو نمونیہ ہو جائیگا۔" ہم نے پریشانی سے جواب دیا۔

"کیڈٹ کو کچھ نہیں ہوتا۔ اگر کچھ ہونا ہوتا تو اب تک ہو چکا ہوتا۔ وہ بے پروائی سے بولے اور کروٹ لے کر ہم سے لاتعلق ہو گئے۔ ایک صاحب کے پاس اندھیرے میں مجمع دیکھا۔ وہ صاحب "بے لگام" پیٹ ایسے دشمن کا مقابلہ کرنے کیلئے مفت گولیاں بانٹ رہے تھے۔ ہم وہاں پہنچے، تو سارا مجمع بے قرار ہو گیا۔ یہ سب کیڈٹ ہی تھے۔ واقعہ سنایا۔ ایک کیڈٹ نے کہا: تم سے کس نے کہا تھا کہ مغرب کی طرف جاؤ؟ وہاں نالہ ہے۔"

ہم نے پیٹ کی طرف اشارہ کیا اور دوبارہ کانپنے لگے۔ سب کو ہماری فکر تھی۔ پہلے تمام کپڑے، سوائے اس کپڑے کے جو انسان اور حیوان میں ظاہری حدِ فاصل ہے، اتارنے پڑے۔ جسم کو گیلے تولیئے سے خشک کیا اور گیلا کمبل اوڑھ کر آگ کے پاس بیٹھ گئے۔ آگ بھی ایسی جس کا واحد شعلہ بار بار بجھ جاتا۔ سب کے پاس گیلے کپڑے اور

رسمی اظہارِ افسوس و ہمدردی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ بہرحال، اس ماحول میں افسوس و ہمدردی کرنے والوں کا دم ہی غنیمت تھا۔ وہ رات ہم پر بہت بھاری تھی۔ آگ کا ٹمٹماتا ہوا واحد شعلہ ہمیں درسِ عبرت و شجاعت دے رہا تھا۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد ایک کیڈٹ کہیں سے ٹیڈی لکڑیاں لے آئے۔ اس عمل کا نتیجہ راحت و آرام کا پیام لایا۔ نہ معلوم کب آنکھ لگ گئی۔ جب آنکھ کھلی، تو غیر ارادی طور پر ہاتھ سے اردگرد کا جائزہ لیا۔ ہاتھ ایک نرم سی چیز سے ٹکرایا۔ ہم سمجھے شاید کوئی بیکار کمبل پھینک گیا ہے۔ لیکن آگ کے روشن شعلے کے پس منظر میں کچھ یوں دکھائی دیا کہ ایک کتا رنگ سفید، صحت درمیانی، کیڈٹ اور آگ سے بے خبر سو رہا ہے۔ ہم نے اس جانور سے منسوب وفاداری کا خیال کر کے اسے جگانا مناسب نہیں سمجھا۔ ایک مرتبہ ہاتھ میں پتھر اٹھایا، لیکن جب اپنا روٹ مارچ یاد آیا تو اسے وہیں آرام سے رکھ دیا کہ کہیں ہمارا ہمسایہ پنجہ آزمائی نہ شروع کر دے۔

اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ کر دیکھنا پڑتا ہے۔ ہم آنکھیں چیرنے پھاڑنے کی مشق کر رہے تھے کہ سنتری کیڈٹ ٹہلتے ٹہلتے تشریف لے آئے۔ ہور کی حال اے؟ انہوں نے سرگوشی کی اور مسکرانے لگے۔ گلے کمبل کے کئی حصوں سے ہوا آ رہی تھی۔ ہم

نے انہیں درست کرنے کی کوشش کی۔ ناکام ہو کر دوبارہ ٹھنڈی ہوا کھانے لگے۔ ہمارا ہمسایہ بدستور سو رہا تھا۔ دوسری طرف کیڈٹ آ جا رہے تھے۔ شاید اس رات کسی نے آرام نہیں کیا۔ دن نکلا، اسے نکلنا ہی تھا۔ ہم نے دوبارہ گیلی ڈانگری کو زیب تن کیا اور اور لڑکھڑاتے قدموں سے قطار میں کھڑے ہو گئے۔ سب کیڈٹ ایک دوسرے کو دعا اور ساگ و نان کھلانے والے کو بددعا دے رہے تھے۔ او کے رپورٹ کا چکر چلا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم اس ویرانے کو خیر باد کہہ رہے تھے۔ روٹ مارچ میں ایک روز علی الصبح یہ انکشاف ہوا کہ آج روٹ مارچ کا یوم آخر ہے۔

کیڈٹ کو پیادہ سیاحت کرتے ہوئے کئی دن بیت چکے تھے اور اب نئے دن کا آغاز ہونے والا تھا۔ بے لگام پیٹ کے اثرات خاصے دور رس تھے، لیکن صبر کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ البتہ دو تین کیڈٹ ایمبولینس کے ہاتھوں کیچ آؤٹ ہونے کی کوشش کرتے رہے۔ ایمبولینس کا عملہ ہر بار کیچ کرنے سے انکار کر دیتا۔ اس کا موقف یہ تھا کہ غیر مرئی امراض پر یقین کرنا اس کی ڈیوٹی میں شامل نہیں ہے۔ یہ کیڈٹ منہ بنائے دوبارہ ہمارے صف میں شامل ہو گئے۔ روٹ مارچ کے آخری دن کا پروگرام دیکھنے کے بعد ہماری رائے حوصلہ افزا نہیں رہی، روٹ مارچ کا راستہ دیکھا، تو سڑک

ایک پہاڑ میں غائب ہوتی نظر آئی۔ نقشے پر بہت کوشش کی کہ پہاڑ سے بچا جائے، جن کیڈٹوں کے پاس عینک تھی، انکی امداد بھی حاصل کی کہ شاید عینک کے بغیر روٹ مارچ کرتے کرتے ہماری بینائی کم ہوگئی ہو، جب عینک والوں نے بھی جواب دے دیا، تو کیڈٹ کے پاس اسکے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ نقشے کے مطابق کوہ پیمائی کرے۔

کیڈٹ ابھی بیداری سے فارغ ہوکر تیاری میں مصروف تھا کہ بادل گرجنے کی آواز آئی۔ آسمان پر واقعی بھورے بھورے رنگ کے بادل تھے۔ پہلے بوندا باندی اور پھر بارش شروع ہوگئی۔ بارش روٹ مارچ کی اس سٹیج پر ہم سے خاصی بے تکلف ہوچکی تھی۔ کیڈٹ نے اسے رضاکارانہ طور پر اجازت دے رکھی تھی کہ وہ جہاں چاہے، قدم رنجہ فرما سکتی ہے۔ بارش نے اس اجازت سے خوب فائدہ اٹھایا اور کیڈٹ کی حالت دیکھ کر یہ گمان ہوتا تھا کہ شاید کسی نے تازہ تازہ سمندر سے پکڑا ہے۔

روٹ مارچ شروع کرنے سے پہلے ناشتے کا بندوبست ہنگامی بنیادوں پر ہوا۔ کوئی چائے لے آیا اور کسی نے ڈبل روٹی کا انتظام کیا۔ ہمارا شمار دستر خوان بچھانے اور دوسرے سیکشن کے ''مینو'' پر نگاہ رکھنے والوں میں تھا۔ ہر دستر خوان پر روزانہ ایک آدھ

سپیشل ڈش نظر آتی۔ تاہم اکثریت نے ساگ و نان کے تناول کا نتیجہ دیکھ کر سپیشل ڈش سے توبہ کر لی تھی۔ چند ایک کے اعصاب پر بے لگام پیٹ کے باغیانہ نعرے اور ہنگامے ابھی تک سوار تھے۔ شاید ایسی بے ترتیبی زندگی میں پہلی بار نظر آئی تھی۔ اس ماحول میں کچھ بھائی ایسے بھی تھے جنہوں نے زبان کے چٹخارے اور بے لگام پیٹ کے ہنگامے کو بیک وقت سہارا دے رکھا تھا۔

بارش تیز ہو گئی۔ ناشتے کیلئے وقت کم تھا اور کیڈٹ نے آخری دن ناشتہ کچھ ایسے خفیہ انداز میں تیزی سے کیا جیسے کمرہ امتحان میں امیدوار آپس میں جواب ملاتے ہیں۔ جواب ملانے کے بعد وہ خوشی خوشی روانہ ہوا۔ آج اسے روٹ مارچ میں میلوں کی سینچری مکمل کرنا تھی۔ اسے یہ اطمینان تھا کہ رات اکیڈمی میں بسر ہو گی۔ بستر، تکیہ، لحاف اور کمرہ یہ خیال آتے ہی وہ خود بخود مسکرانے لگا۔ اکیلا مسکرانا عجیب سا لگتا ہے، لیکن اس روز یہ مسکراہٹ کسی کو عجیب نہیں لگ رہی تھی۔

''فال ان'' کا آرڈر ملا۔ کیڈٹ چند سیکنڈ کے بعد بالکل تیار کھڑا تھا۔ صف بندی ہوئی۔ تجربہ کار فوجی کیڈٹوں نے اپنی جگہ سنبھالی۔ پلاٹون کمانڈر نے ''Go'' (چلو) کہا اور سب کے دل سے نکلا، یا اللہ! آخری روز بھی خیر سے ختم ہو! نقشے سے معلوم ہوتا تھا

کہ ہم کاکول سے زیادہ دور نہیں ہیں۔ دو تین پہاڑ راستے میں تھے۔ ایبٹ آباد کے نزدیکی علاقوں میں پہاڑ بڑے سرسبز ہیں۔ اگر ان پر روٹ مارچ میں چڑھنا نہ ہو، تو دور سے بہت پیارے لگتے ہیں۔ ان کے قدموں میں بسنے والی شاداب وادیکے حسن و جمالکا کیا کہنا! بارش میں تو یہ علاقہ ''فردوس'' کے تصور کیعکاسی کرتا ہے۔ ہرے بھرے کھیت، پھلوں سے لدے ہوئے درختوں کی قطاریں، باغوں میں چوکڑیاں بھرتے ہوئے جانوراور پھر فوارے کی طرح جھومتی برستی بارش، کیڈٹ کی آنکھیں چاروں طرف گردش کر رہی تھیں، لیکن اسکے من میں صرف پی ایم اے سمایا ہوا تھا، جہاں پہنچنے کیلیئے وہ تن کا سارا زور لگا رہا تھا۔ وادی کی رونق کسی کتاب کے دیباچے کی طرح اچانک ختم ہوگئی۔ پلاٹون پر خاموشی طاری تھی۔ سب قدم سے قدم ملائے بڑھنے کے ساتھ ساتھ اوپر چڑھ رہے تھے۔ پندرہ منٹ...... آدھ منٹ...... پینتالیس منٹ...... ایک گھنٹہ...... وقت گذرتا گیا اور ہم چڑھتے رہے۔ سانس پھول رہا تھا۔ پہاڑی چوٹی جوں کی توں کھڑی تھی۔ چڑھائی کے دوران کچھ مقامات ایسے آئے جب رائفل سے لاٹھی کا کام لینا پڑا۔ شک ہوا کہ یہ راستہ درست نہیں ہے اور ہم غلط جگہ آنکلے ہیں۔ نقشے سے رجوع کیا، تو بات کی تصدیق ہوگئی۔ پلاٹون کمانڈر کو اصرار تھا

کہ کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم نیا راستہ اختراع کرینگے۔ اس فیصلے کے ساتھ ہی ہمارے کندھوں پر کھوجی کی بھاری ذمہ داریاں بھی آ پڑیں۔

ایک صاحب زیر لب کچھ فرما رہے تھے۔ ہم نے ٹٹولا تو کہنے لگے:

"بھائی! دعا کر رہا ہوں۔ خدانخواستہ یہ راستہ کہیں دوبارہ آغاز پر نہ پہنچا دے۔"

ہم جغرافیہ دان تو تھے نہیں کہ نقشے کے اسرار و رموز سے پردہ اٹھا کر سب کو سیدھی راہ پر لگاتے۔ سب جا رہے تھے۔ ان کی پیروی ہی میں روٹ مارچ کی عاقبت سنورتی تھی۔

کوہ پیمائی کا تسلسل برقرار رہا۔ پیاس کی شدت نے کئی بار بے حال کیا۔ بوتل کا پانی پہلے ہی ختم ہو چکا تھا۔ آخر ایک ترکیب سوجھی۔ نقشے کا کور (cover) پلاسٹک کا تھا۔ اسے چلتے چلتے ہاتھوں پر پیالے کی صورت میں پھیلا دیتے۔ بارش کی بوندیں جمع ہو کر کیڈٹ کی پیاس بجھا دیتی تھیں۔ یہ ترکیب ہر کیڈٹ نے اپنائی اور خالص و تازہ پانی جی بھر کر پیا۔

انسان بڑی سخت جان مخلوق ہے۔ ہم تو پھر خیر سے کیڈٹ تھے۔ آخر کار یارانِ تیز گام نے چوٹی کو جا لیا۔ پہاڑ کی بلندی سے جو اردگرد کا جائزہ لیا، تو آدھی تھکن دور

ہوگئی۔

حیراں ہوں دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں!

اب پہاڑ سے نیچے اترنے کا عمل باقی تھا۔ اور پھر چند میل کے بعد ایک بوڑھا دریا تھا جس کے دوسرے کنارے پر اکیڈمی کی بسیں انتظار کر رہی تھیں۔ ادھر کیڈٹ پہاڑ سے لڑھکنا شروع ہوگئے۔ وہ تقریباً بھاگ رہے تھے۔ کئی مرتبہ چلنے کی کوشش کی۔ لیکن پگڈنڈی کی ڈھلان نے ناکام بنادیا۔ اترنے میں چڑھنے کی نسبت کم وقت لگا، البتہ تھکاوٹ زیادہ ہوگئی۔

اب ہم گاؤں سے گذر رہے تھے۔ سردی اور بارش کی وجہ سے سب لوگ کمروں میں بند انگیٹھیوں کے پاس بیٹھے اپنے اپنے کام میں مصروف نظر آئے۔ انکی حیرانظریں ہمارا طواف کر رہی تھیں۔ بچے "کیڈٹ آئے، کیڈٹ آئے" کا شور مچا کر گلی میں نکل آئے۔ ایک چھوٹا بچہ جس کا سرخ و سپید رنگ گردن کے گرد لپٹے ہوئے کالے مفلر نے مزید نمایاں کردیا تھا، میرے ساتھ ساتھ بھاگنے لگا۔ کیڈٹ پنسل دے، ایک پنسل دے!

"پنسل نہیں ہے۔"

''کیوں نہیں ہے؟'' بچے نے فوراً کہا اور اپنے گھر کی طرف بھاگ گیا۔ میرے ساتھ ایک اور کیڈٹ نے اس کی بات سن لی۔ دیکھنے لگے، عجیب بات ہے۔ بار برداری کا یہ سامان دیکھ کر بھی لکھائی پڑھائی کی چیزیں مانگ رہا ہے۔

بات دونوں کی ٹھیک تھی۔

پہاڑ کے بعد گاؤں بھی سر ہو گیا۔ اب دریا نما جگہ باقی تھی اور اسکے ساتھ ہی روٹ مارچ کا اختتام...... ہم دریا کی حدود میں داخل ہو گئے۔ معمول کے مطابق ریت اور پتھروں کے انبار میں بہتا ہوا پانی...... جو کیڈٹ تیرنا نہیں جانتے تھے، انہیں پانی سے وحشت ہوتی اور ایک دو مرتبہ کیغو طہ زنی روایت بن گئی۔ ایک صاحب تو اس شدت سے لڑکھڑائے کہ ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر ہی تیرتے نظر آئے۔ بہر حال تجربہ کار کیڈٹوں نے بھاگ دوڑ کر کے انہیں دریا کی بپھری ہوئی کمسن موجوں سے نجات دلائی۔ کچھ دیر بعد پلاٹون کنارے پر آ گیا۔ او کے رپورٹ ہوئی اور ہم بسوں میں بیٹھ گئے۔ روٹ مارچ ختم ہو گیا تھا۔ بس تیزی سے اکیڈمی میں داخل ہوئی۔ یوں محسوس ہوا جیسے ہم اپنے گھر لوٹ آئے ہیں۔ رائفل کی صفائی کا چکر چلا۔ یہ مرحلہ بھی خاصا اہم ہے۔ پلاٹون کمانڈر فرداً فرداً سب کو شاباش دے رہے ہیں۔ لیجیے! سب کام مکمل

ہو گیا۔ پلاٹون اپنے بیرک کی طرف رواں دواں ہے۔ یہ پی ایم اے روڈ آ گئی۔ اسکی حیثیت عام زبان میں ہیڈ ماسٹر کے کمرے والے برآمدے سے ملتی جلتی ہے۔ شرارتی طالب علم بھی وہاں سے شرفاء کا بھیس بدل کر گذرتے ہیں۔ ہمارے لئے لازم تھا کہ پی ایم اے روڈ سے گذرتے ہوئے کیڈٹ کی چال چلی جائے۔ روٹ مارچ ختم کرنے کے بعد سب کی چال بگڑی ہوئی تھی۔ جسم کے اعضاء چیخ وپکار میں مصروف تھے۔ ابھی چند قدم ہی چلے تھے کہ ڈرل سٹاف نمودار ہوئے۔

"یہ چلنے کا طریقہ نہیں ہے، صاحب!"

یہ سنتے ہی بارش اور سردی کے باوجود خوف سے پسینہ آ گیا۔ ایسے ماحول میں روٹ مارچ کے بعد ڈرل کے دو تین ناگہانی پیریڈوں کے امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ خدا کا شکر ہے سٹاف کو یہ خیال نہیں آیا، اور انہوں نے صرف یہ کہہ کر اپنی راہ لی۔ روٹ مارچ نے ڈرل بگاڑ دی ہے صاحب! انشاء اللہ کل ڈرل گراؤنڈ میں ملاقات ہو گی۔

ڈرل کا خطرہ ٹلنے کے امکان سے خوشی کی لہریں ابھریں کہ اچانک ایک کیڈٹ بولا: سٹاف! کل تو چھٹی ہے۔ سٹاف کے قدم رک گئے۔ ہمارے دل دوبارہ پر خطر

وقت کی نشاندہی کرنے لگے۔اب یقین ہوگیا کہ ڈرل لازمی ہوگی۔سٹاف کی خاموشی نے مزید شکوک پیدا کردیئے۔اچانک انکی آواز آئی۔میرے کل کی مراد پرسوں سے تھی۔کیڈٹ نے دل ہی دل میں شکرادا کیا۔پلاٹون دوبارہ مارچ کرتا ہوا بیرک کی طرف جارہا تھا۔ہم زورزور سے پاؤں کی ایڑی لگارہے تھے۔صرف اس لئے کہ کہیں کوئی سٹاف اپنے کل سے مراد آج کا دن نہ لے لے۔خدا کا شکر ہے کہ ہم بخیر وعافیت کمرے میں پہنچ گئے کیڈٹ کو کل ایک دن کی چھٹی تھی اور اکیڈمی میں چھٹی کے دن میں سب سے بڑی عیاشی نیند ہے۔سو ہم نے بھی عیاش بننے کا فیصلہ کرلیا۔

نائٹ کلب

مارننگ پریڈ کو فال انہوئے چند منٹ ہی گذرے تھے کہ ایک آوارہ مچھر ہوا خوری
کے لئے ادھر آ نکلا۔ پہلے روایتی انداز میں رجز پڑھے اور بے چارے کیڈٹ کو ملکہ کے
بت کی مانند گم سم پا کر بڑھکیں مارنا شروع کر دیں۔ کیڈٹ اس اشتعال انگیزی کے
باوجود پر امن رہا۔ مچھر کا حوصلہ بڑھا اور وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کیڈٹ کے
رخساروں پر حملہ آور ہوا۔ کیڈٹ مچھر سے خوفزدہ نہیں تھا، بلکہ اصل بات یہ تھی کہ ڈرل

انسٹرکٹر اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ جلوہ افروز تھے۔ پریڈ میں ہاتھ پاؤں وغیرہ ہلانا انسٹرکٹر کو ’’دعوتِ شجاعت‘‘ دینے کے مترادف ہے اور یہ بات سب کے علم میں تھی کہ دعوت پر مدعو کرنا آسان ہے، لیکن انسٹرکٹر کی دادِ شجاعت وصول کرنا مہنگا سودا ہے۔ لہٰذا ہم نے پوری کوشش کی کہ ’’دعوت‘‘ ریز روہی رہے۔ اس روز مچھر کی اشتعال انگیزی نے پورا ریکارڈ تباہ کر دیا اور ہمارا شمار بھی ان کیڈٹوں میں ہونے لگا جو پریڈ کے علاوہ وہ بھی ’’کچھ‘‘ کرتے اور سوچتے ہیں۔ یہ ’’کچھ‘‘ اور کرنے کا حادثہ مچھر کی اشتعال انگیزی کا نتیجہ تھا وہ کیڈٹ کے خون سے جب اپنے لب تر کر رہا تھا، تو ہم نے اسے اڑانے کا جدید طریقہ اختیار کیا۔ سب سے پہلے پیٹ بھر کر سانس لی، اپنے ہونٹوں کو باریک سوراخ کی شکل دی، اس سوراخ کو اندازاً مچھر پر ’’فکس‘‘ کیا اور پوری قوت سے سانس کی ہوا نکال دی۔ ہمارا خیال تھا کہ یہ طوفان مچھر کو اڑا دے گا اور ہم اطمینان کے ساتھ پریڈ پر دھیان دے سکیں گے۔ مچھر شاید زیادہ ہی مدہوش تھا۔ سو یہ وار ناکام ثابت ہوا۔ ہم نے دوبارہ سانس کی ہوا کے ذریعے حملہ کیا۔ اس مرتبہ ہوا کی رفتار اور مقدار پہلے سے زیادہ رکھی۔ یہی احتیاط لے ڈوبی۔ جب راکٹ کی مانند ہوا منہ سے نکلی تو مچھر تو اڑ گیا، لیکن پریڈ کی صفوں میں سیٹی کی گونج پھیل گئی۔

ہماری سیٹی کمان سے نکلے تیر کی طرح تھی، جسے اب دنیا کی کوئی طاقت خاموش نہیں کرسکتی تھی۔اس گناہ کبیرہ کی آواز جب انسٹرکٹر کے کانوں سے ٹکرائی، تو اسکا ردعمل ایسا ہولناک تھا کہ ہر کیڈٹ کے کان میں سیٹیاں بجنے لگیں۔ ''Fall out'' کا کاشن، سٹاف نے پوری طرح ادا نہیں کیا تھا کہ میں پریڈ سے باہر نکل آیا اور سٹاف کے قدرتی غصے کو ٹھنڈا کرنے کیلئے خود بخود زمین پر اردو کا بڑا سا ۸ بن گیا۔ سٹاف نے فوراً پیش قدمی کی۔اردو کا یہ ۸ دور سے کبھی ۱۸ اور کبھی ۸۱ نظر آنے لگا۔

''آپ نے سیٹی بجائی ہے؟'' سٹاف نے پوچھا۔

''سٹاف! دراصل مچھر اڑایا ہے۔''

''پریڈ میں مچھر کی طرف دھیان کیوں دیا؟''

''تنگ کر رہا تھا۔مجبوری تھی۔''

''ٹھیک ہے شاؤٹ یور نمبر (shout your number)

سٹاف نمبر، نوٹ پلاٹون کے قریب ہوگئے۔ ''۸'' اکیلا رہ گیا۔تاہم اس عرصے میں پلاٹون نے جی بھر کر مچھر مارے، مکھیاں اڑائیں اور خوب کھجلی کی، کسی طور دن کٹا۔۔۔لنچ بریک میں سب مبارکباد دے رہے تھے کہ آج سٹاف نے تمہارا نام اور

نمبر نوٹ کرلیا ہے۔

اب نائٹ کلب میں خوب گذرے گی۔

نائٹ کلب کا نام پہلے بھی سنا تھا۔ یہ ہمارے کمروں کے پچھواڑے واقع تھا۔ رات کے پہلے پہر میں یہاں سے بلند ہونے والی آوازیں خواب میں بھی کیڈٹوں کا پیچھا کرتی تھیں۔ کچھ کیڈٹ نائٹ کلب کے مستقل ممبر تھے۔ یہ بات ہمارے کورس میں بھی کسی کو معلوم نہیں تھی کہ اس جگہ کا نام نائٹ کلب کس نے رکھا ہے۔ کیڈٹ کے پاس اس قسم کے تاریخی حقائق کھوج لگانے کے لئے وقت بھی نہیں تھا۔ لہٰذا ہر ایک نے نائٹ کلب کی ممبر شپ کو اس کی تاریخ پر ترجیح دی۔

رات کو ڈنر سے فارغ ہو کر سینئر بستروں میں گھس جاتے اور جونیئر رائٹنگ ٹیبل پر بیٹھ کر اونگھنا شروع کرتے تو کچھ کمروں سے چھن چھن چھنا چھن کی آواز سنائی دیتی۔ یہ نائٹ کلب کے ممبروں کی تیاری تھی۔ مخصوص لباس زیب تن کیا۔ دنیا کے ہر کلب کی طرح یہاں بھی داخلے کے لئے لباس پہننا ضروری ہے۔ لباس کے ساتھ جملہ زیورات اور مقررہ سامان بھی لے جانا لازم تھا۔ نائٹ کلب میں لباس اور سامان کے ساتھ ساتھ وقت کی پابندی کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ رہائشی بلاک سے تقریباً ایک

ہی وقت میں ممبروں کی ٹولیاں برآمد ہوتیں اور طویل برآمدہ آوازوں سے گونج اٹھتا۔

نائٹ کلب کی ممبر شپ کرنے کے بعد ہم دعوت نامے کا بہت اشتیاق سے انتظار کرنے لگے۔سٹاف کو شاید ہماری بے تابی کا علم تھا۔لہٰذا انہوں نے بھی دیر نہیں کی اور واردات کے چند گھنٹے بعد ہمارا نام ان بے شمار خوش نصیبوں کی فہرست میں جگمگا رہا تھا جنہیں اس روز سٹاف کی نگاہوں نے اندیشہ نقص نظم وضبط کے الزام میں چیک کیا۔ہم صرف ایکسٹرا رول کال کے حقدار پائے گئے۔کیونکہ کیڈٹ اگر بدھ یا ہفتے کے دن چیک ہو جائے تو ایکسٹرا کال کے ساتھ ساتھ ایکسٹرا ڈرل کا سپیشل دعوت نامہ بھی مل جاتا ہے۔ایکسٹرا ڈرل کو نائٹ کلب کی دعوت عصرانہ سمجھ لیجئے۔

''ایکسٹرا رول کال'' نام کے اعتبار سے خاصی حسین قسم کی چیز لگتی ہے۔روزمرہ کی تفریحی سرگرمیوں میں یہ نام انفرادی طور پر اکثر سننے میں آتے ہیں۔اس لفظ کے دائیں بائیں کچھ لفظوں کا اضافہ کر دیا جائے تو حسن اور نکھر جاتا ہے۔سچی بات ہے کہ پی ایم اے کے نائٹ کلب سے ہمیں حسن کے نکھار کی توقع کم تھی۔اپنے خون پسینے کے زیاں کا زیادہ دھڑکا لگا ہوا تھا۔

شام چار بجے کے قریب اردلی چائے لایا اور چائے تھرماس سے کپ میں انڈیلتے

ہوئے کہنے لگا۔ ”صاحب! سنا ہے رات آپ Punishment parade پر جا رہے ہیں۔ کتنی ایکسٹرا رول کال ملی ہیں؟ یہ سوال سن کر یوں لگا جیسے چائے کا درجہ حرارت سوا نیزے پر پہنچ گیا ہو۔

صاحب! فکر نہ کریں، ایک دم فسٹ کلاس چھڑا تیار کر کے دوں گا اور ”چھپی آیٹم“ بھی پورے کرنے ہیں۔ وہ مسلسل بولے جا رہا تھا۔

”ہاں ہاں بھئی، جیسے مرضی ہے کرو۔ مجھے سامان مکمل ملنا چاہیے۔ فی الحال دو رول کال ملی ہیں۔

میں نے بات ختم کی اور کھڑکی سے دور سر سبز پہاڑوں کو دیکھنا شروع کر دیا۔ خاموش پہاڑیاں جن کی چوٹیوں پر برف کا ملبہ کئی روز سے گر رہا تھا۔ ایبٹ آباد کی وادی اور ارد گرد کے پہاڑوں پر برف باری کا منظر بے حد حسین لگتا ہے۔ تاہم نائٹ کلب کے لان میں برف باری سے خود کو محفوظ کرنا کیڈٹ ہی کے دل گردے کا کام ہے۔ کچھ عرصے کے بعد یہ روزمرہ کی ڈرل بن گئی۔ برف باری تو کیا، نائٹ کلب کو گرجتی برستی بارشیں اور موسم سرما کی ٹھٹھرتی سرد ہوائیں ویران نہیں کر سکیں۔ اس کے عارضی اور مستقل ممبر دور دور سے کھچے چلے آتے تھے۔

پہلے روز نائٹ کلب پہنچے تو ابھی کارروائی شروع ہونے میں کچھ دیر تھی۔ ممبر مختلف ٹولیوں میں بیٹھے خوش گپیاں کر رہے تھے۔ ایک دو سب سے الگ تھلگ نیند کے

مزے لوٹ رہے تھے۔ نائٹ کلب کا لان اس طریقے سے بنایا گیا ہے کہ اس میں گھاس یا کسی اور قسم کے خودرو پودے کی پیدائش کے تمام امکانات ختم ہو گئے ہیں۔ ایبٹ آباد کے ندی نالوں کی تہہ میں بیٹھے ہوئے پتھروں کی طرح کنکریاں بچھی ہوئی تھیں۔ دو طرف کڑوی بیل کی باڑ ہے جسے صرف کود کر پار کیا جا سکتا ہے۔ لان کے سامنے پانچ کمروں پر مشتمل ایک بیرک ہے جو دفتر کا کام دیتی ہے۔ رات کے وقت ایک کمرے میں اداس قسم کا بلب ٹمٹمایا کرتا تھا۔ بلب کی روشنی دیکھ کر شک گزرا کہ شاید اسے بھی کوئی ایکسٹرا رول کال پر پکڑ لایا ہے۔ البتہ سورج کی روشنی میں باقی کمرے بھی دمک اٹھتے اور اردگرد کے ماحول سے ہر وقت معصومیت ٹپکتی جیسے رات کو یہاں کچھ ہوتا ہی نہیں۔ ادھ جلے بلب کی روشنی ممبروں کی شناخت اور حاضری لگانے کے کام آیا کرتی تھی۔

حاضری وغیرہ لگانے کا مرحلہ بہت تیزی سے مکمل ہوا۔ ہماری دلی خواہش اس تیزی کیخلاف تھی۔ تجربہ کار ممبروں کا خیال تھا کہ نائٹ کلب میں حاضری لگوانے کو خاص اہمیت دینی چاہئے۔ حاضری کے بعد نائٹ کلب کی اصل کارروائی شروع ہوئی۔ ڈیوٹی سٹاف نے گزشتہ روز کی کارروائی سنائی جس میں بعض ممبروں کی غلطیوں اور خطاؤں کا پردہ چاک کیا گیا تھا، نیز یہ مژدہ بھی سنایا گیا کہ جو ممبر ایمان داری اور خلوص کا مظاہرہ کرتے ہوئے آج کی کارروائی میں بھرپور حصہ لیں گے، انہیں بطور

انعام کل تشریف لانے کی زحمت نہیں دی جائے گی۔ یعنی بالفاظ دیگر ایک ایکسٹرا رول کال کمرے میں بیٹھے ہوئے ختم ہو جائے گی۔ مجھے دو ایکسٹرا رول کال ملی تھیں۔ لہٰذا یوں محسوس ہوا کہ جیسے یہ اعلان میری فلاح و بہبود کے لئے کیا جا رہا ہے۔

نائٹ کلب کی کارروائی میں کوئی نئی بات نہیں تھی۔ بس ڈیوٹی سٹاف کی مرضی پر منحصر تھی۔ وہ جب چاہتے پی ٹی کا پیریڈ شروع کر دیتے اور جونہی ان کی طبیعت ایک ہی طرح کی اچھل کود دیکھ کر اکتا جاتی، تو ڈرل کے کاشن دینے لگتے۔ پی ٹی کی اچھل کود میں ڈنٹر بیٹھک کے ساتھ ساتھ مینڈک چال، بیرک کے چکر، فرنٹ رول، بیک رول کے علاوہ کئی اور قسم کے رول بھی تھے۔ اس موقع پر صبح کا پی ٹی پیریڈ عیاشی معلوم ہوا۔ وہاں صرف نیکر اور بنیان کے ساتھ رول ملتے تھے۔ یہاں پشت پر کئی اشیاء مع اجزائے خصوصی کے براجمان تھیں۔ ہر قسم کی اچھل کود میں وہ ہماری آواز کے ساتھ ساتھ اپنا ساز ملانے کی بھرپور کوشش کرتیں۔ ساز اور آواز کے اس حسین سرسنگیت میں کیڈٹ کا پیلانگ شور مچاتا۔ کبھی کبھار کسی کونے سے دھڑام سے گرنے کی بھاری آواز آتی، تو ذاتی پشت پر ہلکا سا درد شروع ہو جاتا۔ یہ دھڑام سے زمین پر آنا کسی کیڈٹ کا حکم کی تعمیل میں تھا۔ ایک ایسا ہی حکم مجھے ملا تعمیل کی، تعمیل حکم میں کچھ زیادہ ہی چستی دکھائی جس کے نتیجہ میں چھوٹا پیک کھل گیا اور مشہور چھبیس چیزیں تتر بتر ہو گئیں۔ یہ حرکت ناقابل برداشت تھی۔ متاثرہ افراد کے غصے کو دیکھ کر یوں لگ رہا تھا جیسے میں

نے کسی دعوت میں سالن کی دیگ الٹ دی ہو۔ صبح کی پریڈ میں سیٹی کا گونجنا اور رات کو چھٹے پیک کا عہد وفا توڑنا ایک ہی سلسلے کی کڑیاں تھیں۔ لہٰذا نام نمبر دوبارہ نوٹ ہو گیا اور ہماری ایکسٹرا رول کالیں دو سے چھ ہو گئیں۔ یہ سلسلہ دراز ہی ہوتا گیا۔ اس کے بعد شاید ہی کوئی ایسا دن گزرا ہو گا کہ ہم نے نائٹ کلب میں بنفس نفیس شرکت نہ کی ہو۔ رات کے علاوہ دعوت عصرانہ (ایکسٹرا ڈرل) میں شمولیت بھی لازمی ہو گئی۔

نائٹ کلب کے کئی اور بھی مستقل ممبر تھے۔ چند ایک تو دعوت نامے میں فہرست دیکھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ہر دعوت میں دعوت نامے کے بغیر ہی تشریف لے آتے۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ کلب میں مہمانوں کی تعداد فہرست سے بھی بڑھ گئی۔ جب پوچھا گیا کہ جن کا نام نہیں پکارا گیا وہ باہر آ جائیں۔ ایک صاحب برآمد ہوئے۔ سٹاف نے کہا آپ کا نام نہیں تھا، تو آنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیڈٹ نے حیران ہو کر پوچھا۔ ''کمال ہے، میرا نام نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے۔ آپ سے رہ گیا ہو۔ دوبارہ اپنی ڈائری چیک کر لیں''۔

رات کی Punishment parade جسے کیڈٹوں نے ازراہ مذاق نائٹ کلب کا نام دے رکھا تھا۔ ملٹری اکیڈمی کے عجائبات میں سے ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اکیڈمی والوں نے پاسنگ آوٹ کا دن مقرر کیا ہوا ہے۔ ورنہ اگر نائٹ کلب والے حساب سے چلتے تو آج تک ہم نائٹ کلب ہی کا قرضہ چکا رہے ہوتے۔

میس نامہ جدید

"جنٹلمین، الحمدللہ"

"اے (A) میس کے بارک نما ہال میں یہ آواز سنتے ہی کیڈٹ حیرانی سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ ابھی چند منٹ پہلے "جنٹلمین، بسم اللہ!" کی آواز آئی تھی۔ کچھ لقمے حلق سے اتارے۔ ان سے معدے کی بھوک تو کیا مرتی، ابھی آنتوں کے مطالبات ہی پورے نہیں ہوئے تھے۔ کہ سب قاعدے کے مطابق اپنی اپنی نشستوں سے کھڑے ہوئے اور ایک ایک کر کے باہر نکلنا شروع کر دیا۔ یہ صورتحال ہمارے یعنی

جونیئر کیڈٹوں کے لئے اطمینان بخش نہیں تھی۔سینئر کے چہرے غصے سے کبھی لال اور کبھی پیلے ہو رہے تھے۔لال پیلے ہونے کا یہ منظر رات کی تاریکی میں بھی صاف نظر آ رہا تھا۔ہال سے نکلتے وقت میز پر سجے ہوئے کھانے پر آخری نگاہ ڈالی۔نگاہوں سے اسے الوداع کہا اور مسکین سی صورت بنا کر قطار میں کھڑے ہو گئے۔یہ قطار برآمدے کے نیچے بڑھ رہی تھی۔برآمدے میں دو تین کیڈٹ جو سینئروں کے بھی سینئر تھے، پبلک سپیکنگ(public speaking) کی مشق کرنے کے لئے سوچ بچار میں مصروف تھے۔ان کی تقریریں اعصاب شکن نہیں تھیں۔معاملہ صرف تقریر تک رہے، تو کوئی مضائقہ نہیں، لیکن ہمارا حافظہ گواہ ہے کہ شاید ہی صرف تقریر کے بعد جان کی امان ملی ہو۔ادھر تقریر شروع ہوئی ادھر میس کے ہال میں ویٹروں (بیروں) نے برتن سمیٹنے شروع کر دیے۔ان کی مستعدی برتنوں کی جھنکار سے واضح تھی۔

یہ پہلی ڈنر نائٹ تھی جو کسی کیڈٹ کی تفریح طبع کی نذر ہو گئی اب ہماری بھوک کی طرح طویل سے طویل تر ہو رہی تھی۔ایک کے بعد دوسرا سینئر میس کے قواعد و ضوابط پر لیکچر شروع کر دیتا۔لیکچر کے بعد پریکٹیکل شروع ہو گیا اور ڈنر نائٹ جس کا آغاز فرنٹ رول سے ہوا تھا،میس کے لان میں فراگ جمپ (مینڈک چھلانگ) کا مظاہرہ کرنے کے بعد اختتام کو پہنچی۔ڈنر نائٹ کا مینو خاصا دلچسپ تھا۔اس کا اندازہ ہم نے میز پر سجی ہوئی کراکری سے لگایا جس میں پلیٹوں اور چموں وغیرہ کی تعداد روزانہ کی نسبت

زیادہ رکھی گئی تھی۔ بیرے کی بجی وردی میں کھانے کے ذائقے کا عکس نظر آیا، لیکن "جنٹلمین، الحمدللہ! کی صدائے بازگشت نے تمام اندازے غلط ثابت کر دیئے۔ اور آخر کار ہمیں میس مینو میں رضا کارانہ بنیادوں پر ترمیم کرنا پڑی۔ نئی ترمیم کے مطابق یہ مینو سائلنس (Silence) فرنٹ رول۔ سکپ جمپ اور فراگ جمپ کے علاوہ بارک کے چکر پر مشتمل تھا۔ بارک کا چکر خصوص پکوان یعنی سپیشل ڈش تھا اور یہ پکوان بار بار پیش کیا گیا۔ عموماً رات کے وقت بارک کے چکر کا حکم کم ہی ملا کرتا تھا، کیونکہ کئی کیڈٹ کمال بے نیازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے روپ چھل (کیموفلاج) کا عملی مظاہرہ شروع کر دیتے۔ لکڑی کی بارکیں، نائٹ کلب اور اس کے ارد گرد کا علاقہ خاصی محفوظ پناہ گاہیں تھیں۔ پہلی ڈنر نائٹ کے بعد سینئر بھی چوکنا۔ اور انہوں نے ہمیں اپنے استعمال شدہ حربے کام میں لانے کی اجازت نہیں دی۔

بات میس کے ترمیمی مینو کی ہو رہی تھی۔ خصوصی پکوان تناول کرانے کے بعد حکم ملا۔

"پی ٹی ڈریس میں کارپورل کے کمرے کے سامنے "فال ان" ہو جاؤ۔"

بھاگے بھاگے کمرے میں پہنچے، جلدی سے ڈریسنگ ٹیبل کا دروازہ کھولا جہاں شام کی چائے یعنی ایوننگ ٹی (evening tea) کا کیک محفوظ تھا۔ کپڑے تبدیل کرنے کے ساتھ ساتھ کمرے میں پڑی ہوئی کھانے کی ہر چیز نگل لی اور ڈنر نائٹ کی آخری قاب چکھنے کے لیے "فال ان" ہو گئے۔ خوش قسمتی سے کارپورل بھی ہمارے

طرح ڈنر نائٹ کے مینو ہی پر گزارہ کر رہا تھا۔ اس نے پانچ دس منٹ لیکچر پلایا اور میٹھی نیند سونے کی اجازت دے دی۔

پہلی ڈنر نائٹ کی روداد سے یہ نتیجہ اخذ کرنا درست نہیں کہ میس سے جونیئر روزانہ ہی بھوک کا تحفہ لے کر آتے تھے۔ البتہ ابتدائی مہینوں کے دوران ہفتے میں وہ ایک بار یہ تحفہ مل جاتا اور جب ہم سینئر ہو گئے، تو اس امر کی پوری کوشش کی کہ نوخیز جونیئر بھی اس تحفے کی لذت سے آشنا ہو جائیں۔

اکیڈمی کی بٹالین میس باہر سے بہت خوبصورت نظر آتی ہے۔ لیکن اصل خوبصورتی کا اندازہ بڑے ہال میں بیٹھ کر ہوتا ہے۔ پہلے روز بھی ہال کے بیچوں بیچ ایک جونیئر کیڈٹ میز پر بیٹھا اپنی مصروفیات اور مشاغل کے فرضی افسانے سینئروں کو سنا رہا تھا۔ سینئروں کی یلغار جاری تھی۔ میرا تعلق لاہور سے ہے اور جس لاہوری سینئر کو اس کی خبر ملتی، وہ فوراً لپک کر شکنجے میں جکڑ لیتا۔ یہ شکنجہ واقفیت اور رشتہ داری کا تھا۔ اکثر یوں گفتگو ہوتی۔

دروغ برزبان انگریزی۔

"کون سی جگہ؟"

"لاہور۔"

"کون سا علاقہ؟"

"ماڈل ٹاؤن"

"مجھے جانتے ہو؟"

"نہیں سر!"

"کیوں نہیں؟"

(وقفہ خاموشی)

خاموشی کے وقفے میں ایک اور سینئر لپکتے ہیں اور پہلے والے مکالمے دہرائے جاتے ہیں۔ اب لاہور کے دو سینئر جمع ہو گئے۔

پہلا: "تم مجھے جانتے ہو؟"

"نہیں سر!"

دوسرا: "تم اپنے سر کو نہیں جانتے؟"

نہیں سر!

پہلا: اوکے! "گیٹ اپ! میں اپنا تعارف کراتا ہوں"۔

اور یہ تعارف کچھ ایسے انداز میں ہوتا کہ وہ "سر" میس کے لان کی مخمل نما، گھاس کی طرح ہمیشہ کیلئے یاد ہو جاتے۔ لان میں پیٹ کے بل رینگتے ہوئے گھاس کی خوشبو دماغ کے چودہ طبق روشن کر دیتی۔ اس روشنی کے بعد عموماً بالکل مٹ جاتی تھی۔

شروع شروع میں میس میں خوب لطیفے ہوئے۔ کیڈٹ اپنے کمروں میں جا کر وہ

لطیفے دہراتے اور ساری محفل ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو جاتی۔ یہ لطیفے محض اس لئے رونما ہوتے کہ ابھی چھری کانٹوں پر گرفت مضبوط نہیں ہوئی تھی اور ہمارا وہ زمانہ لوٹ آیا جب ''کچی پکی'' میں ماسٹر صاحب ہمارا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ کر تختی لکھنے کی مشق کرایا کرتے تھے۔ اس مشق میں کبھی کبھی سیاہی کی دوات کپڑوں پر الٹ جاتی۔ میس میں قلم دوات تو کسی کے ہاتھ میں نہ تھی تاہم اس کی جگہ چھری کانٹے آلتی پالتی مار کر میز پر جم گئے۔

اکیڈمی جانے سے پہلے چھری کانٹے رنگ محل میں کراکری کی دکانوں پر دیکھے تھے، لیکن ان کی ترکیب استعمال سے کبھی واقفیت حاصل نہیں کی تھی۔ اور اس ''کم علمی'' کے اعتراض میں اکثر کیڈٹوں نے ہچکچاہٹ یا شرم محسوس نہیں کیا۔ تاہم چند ایک صاحبزادگان اس سبق کی ٹیوشن پڑھنے جایا کرتے تھے۔

یادش بخیر! یونیورٹی کیفے ٹیریا کی سیلف سروس میں چھری کانٹے نام کی کسی چیز کا دخل نہیں تھا۔ ایک مرتبہ چند غیر ملکی طلبہ آئے تو کیفے کے مالک نے سگھڑ عورت کی طرح الماری کا تالا کھولا اور گن گن کر چھری کانٹے ان کے حوالے کیے۔ سنا ہے کہ ایک زمانے میں سیلف سروس والوں کو بھی چھری کانٹے ملا کرتے تھے۔ لیکن چند ہفتوں کے بعد جب یہ چھری کانٹے رہائشی کمرے میں پہنچ گئے، تو کیفے ٹیریا کے مالک نے اس سخاوت سے توبہ کر لی۔ البتہ چائے پینے والوں کو ایک چمچی ملتی تھی جس کی نگرانی

سیلف سروس کے گشتی محافظ عملے (موبائل سکیورٹی سٹاف) کے فرائض میں داخل تھی۔

پی ایم اے میں چمچوں کا اِدھر اُدھر کرنا تو کجا اس کے بارے میں سوچنا بھی گناہ ہے۔ لہٰذا وہاں چھری کانٹے اور چمچے وغیرہ خاصی تعداد میں موجود تھے۔ چھری کا استعمال زیادہ مشکل نہیں، بشرطیکہ اس کی دھار بھی تیز ہو۔ بدقسمتی سے اگر کوئی ایسی چھری ہاتھ آجائے جس نے پندرہ بیس سینئر کورس دیکھے ہوں تو گزارہ مشکل ہو جاتا ہے۔ مثلاً شوربے میں سے بڑی مشکل سے ایک بوٹی قابو کی، کانٹے کے پنجے اس میں گاڑ دیے، لیکن چھری بوٹی کے ٹکڑے کرنے سے قاصر رہی۔ ایک آدھ منٹ کی کشمکش کے بعد بوٹی کو دوبارہ سپردِ شوربہ کر دیا۔ علاوہ ازیں کانٹے کے ساتھ بوٹی کو منہ میں اتارنا بھی خالی از خطر نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کانٹا گوشت میں دور تک گڑ گیا ہو اور منہ میں بھی بوٹی کا ساتھ چھوڑنے سے انکار کر دے۔ یہ صورت اس وقت مزید پریشانی کا باعث بن سکتی ہے جب کوئی سینئر سامنے بیٹھا ہوا "چوری آنکھ" سے ان حرکات کا مشاہدہ کر رہا ہو۔ یقیناً روایت کے عین مطابق تھوڑی دیر کے بعد کیڈٹ کانٹے اور بوٹی سمیت میز کے نیچے ہوگا۔ یہ ایک نادر موضوع ہے۔ کوئی نہیں دیکھ رہا ہے۔ بوٹی کانٹے سے علیحدہ کر کے آسانی سے ہڑپ کی جا سکتی ہے۔

کانٹے کے ذکر پر ایک دوست کیڈیٹ بہت یاد آتے ہیں۔ ان کی وجہ سے اکثر کئی اور کیڈٹوں کو بھی میس کے لان میں اچھل کود کرنی پڑتی تھی۔ سینئر باوجود کوشش اور ایک

حد تک منت سماجت کے ان کا بایاں ہاتھ کانٹے پر رواں نہیں کر سکے۔ چکر صرف یہ تھا کہ وہ کانٹے کو اس انداز اور احتیاط سے پکڑتے جیسے وہ شوربے میں سے لوبیا کے دانے تلاش کرنے کے بجائے کسی کھیت میں گندم اور بھوسہ الگ الگ کر رہے ہوں۔

چمچے کو استعمال کرنا مشکل نہیں، لیکن میس کی میز پر چمچے کو سیدھا منہ کے پاس لانا پڑتا تھا۔ چہرے کو ذرا سا جھکائے بغیر یہ کارنامہ سرانجام دینا خاصی مشق کے بغیر ناممکن ہے۔ کیڈٹ کو آغاز ہی سے یہ کارنامہ میس کے بیچوں بیچ سرانجام دینا تھا۔ لہٰذا پلیٹ سے منہ تک سوپ بھرے چمچے کا سفر زبردست سسپنس (Suspense) سے بھرپور تھا۔ ہم یہاں ان دوستوں کا ذکر نہیں کریں گے جو سینئرز سے آنکھ بچا کر پلیٹ ہی منہ سے لگا لیا کرتے تھے۔ واقعی گرم گرم مزیدار سوپ اسی سلوک کا مستحق تھا، لیکن ایسے موقعے کم ہی میسر آتے اور اکثر ویٹر بہت احتیاط سے سوپ بھری پلیٹ واپس لے جایا کرتے تھے۔ میس کی میز پر کراکری کا شور اچھی خاصی بدمزگی کی بنیاد ہے۔ چینی کی خوبصورت پلیٹ اور ہاتھ میں سٹین لیس سٹیل کے چمچے اور کانٹے وغیرہ کی موجودگی میں خاموشی ناممکن تھی۔ تاہم ڈیڑھ ایک مہینے کی مشق سے یہ شور سرگوشیوں میں تبدیل ہو گیا۔

آم پھلوں کا بادشاہ ہے۔ اس کے ایک قابل فخر عقیدت مند مرزا غالب تو اسے اپنے انداز میں کھاتے ہوں گے لیکن میس کی میز پر پہلے روز جب بے شمار چمچوں اور

کانٹوں کے پہرے میں بادشاہ کی سواری آئی تو کیڈٹ کی حیرانی اس کی پھٹی پھٹی آنکھوں سے پھٹی پڑتی تھی۔ وہ پریشان تھا کہ آم کی کرسی پر بیٹھ کر چھری کانٹوں سے کیسے کھایا جائے۔ سب کی دیکھا دیکھی ایک آم اٹھا کر اپنی پلیٹ میں رکھ لیا اور اسے انگوٹھوں اور انگلیوں کی مدد سے پلپلا کرنے لگے۔ یہ عمل صحیح نہیں تھا۔ ایک کیڈٹ نے شاید زیادہ ہی تیزی دکھائی ان کا آم ذرا سی ٹھیس کا منتظر تھا کہ ایک سینئر آ نکلے۔ انہوں نے بڑی شائستگی سے آم کو ہلال کرنے کا طریقہ بتایا۔ پریکٹیکل کے لئے بدقسمتی سے پلپلا آم منتخب ہو گیا۔ ابھی چھری کی نوک ہی لگی تھی کہ آم کے رس کا ایک فوارہ بلند ہوا اور موصوف کا چہرہ لت پت کر گیا۔ ادھر میز پر بیٹھے ہوئے کیڈٹ بڑی مشکل سے ہنسی کا فوارہ ضبط کر رہے تھے۔ ان کے چہرے سرخ ہو گئے، لیکن جب وہی سینئر اپنا چہرہ دھو کر واپس آئے تو ہمارے چہروں اور آم کے رس کی رنگت یکساں ہو گئی۔ وہ دن پھلوں کے بادشاہ سے توہین آمیز سلوک کا آخری دن ثابت ہوا اور اس کے بعد آم کے چھلکوں کو بھی ڈرل کے مطابق حرکت دی جاتی تھی۔

"نیپکن" میس کی ایک ایسی سوغات تھی جس سے عام زندگی میں کم ہی واسطہ پڑتا ہے۔ میس کا یہ صاف ستھرا رومال پہلی نظر میں روٹیوں والی چنگیر کا کپڑا نظر آیا۔ جو عموماً روٹی گرم رکھنے کے کام آتا ہے۔ لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا اس کی اہمیت وافادیت واضح ہوتی گئی۔ نیپکن استعمال کرنے کا بھی ایک خاص انداز ہے اور یہ انداز سیکھنے میں خاصی دیر لگی۔ میس کے پھیکے

انگریزی کھانے پہلا لقمہ حلق میں جانے سے پیشتر بہت حسین، مزیدار لگتے تھے۔ اگر ان کا معاملہ صرف اخبار میں تصویر یا کسی اشتہاری فلم تک محدود رہے تو جواب نہیں۔ تاہم کھاتے وقت اپنی روٹیاں اور سالن بہت یاد آتے اور اکثر چھری کانٹوں سے ہاتھا پائی کی نوبت آ جاتی تھی۔

گراؤنڈ در گراؤنڈ

خوبصورت کاکول اکیڈمی گراؤنڈوں کے لحاظ سے خاصی مالا مال ہے، بلکہ اس کی کنیت اگر "گراؤنڈ آباد" رکھ دی جائے، تو گراؤنڈوں کے طول وعرض میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ یہاں قسم قسم، نسل نسل اور بھانت بھانت کی گراؤنڈیں ہیں۔ جن پر کیڈٹ، اکیڈمی کے روز اول سے، اپنا خون پسینہ بہاتے آئے ہیں اور یہ سلسلہ تادم تحریر جاری ہے۔ کسی نیک کام یا بہتر مستقبل کی امید میں خون پسینہ بہانا بری بات

نہیں۔ تاہم رسید دیے بغیر خون پسینہ چوس لینا ایسا کارنامہ ہے جس کی غیر مشروط تائید دشوار ہے۔ کیڈٹ کے خون پسینے نے اکیڈمی کی گراؤنڈوں کا ہاضمہ خاصا تیز کر دیا ہے۔ اب ساون بھادوں کی موسلا دھار بارشوں کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور وہ سینکڑوں خواہشوں اور امیدوں کے برعکس بارش ختم ہوتے ہی یوں خشک ہو جاتی ہیں جیسے دور نزدیک سے صحرائے اعظم کی رشتہ دار ہوں۔ البتہ کہیں کہیں بارش کا پانی پرندوں وغیرہ کے لئے ہاتھ آئی لینڈ کا کام دیتا ہے۔

بارش کا دن کیڈٹوں کیلئے بے پناہ خوشی و مسرت کا پیغام لاتا ہے اور کبھی کبھی پی ٹی ایریا ہونے والی کارروائی ملتوی ہو جاتی ہے۔ پی ٹی ایریا کشادہ وسعتوں کا حامل تھا۔ اگر ایک کنارے پر کھڑے ہو جائیں تو دوسرا کنارہ دیکھنے کیلئے دوربین استعمال کرنی پڑتی تھی۔ بے چارہ کیڈٹ اس لحاظ سے چلتی پھرتی دوربین تھا۔

پی ایم اے میں آمد کے فوراً بعد کا ذکر ہے کہ ایک روز برستی اور گرجتی بارش کی موسیقی نے علی الصبح بیدار کیا۔ بارش دیکھ کر کالج اور یونیورسٹی کے دن یاد آ گئے جہاں ایک خوشگوار لمحات میں کلاس روم کے بجائے راوی کا کنارہ یا نیو کیمپس نہر کی رنگ برنگی کشتیاں ہماری منزل ٹھہرتیں۔ پہلے دو تین پیریڈ تو اس بحث میں صرف ہو جاتے کہ باقی پیریڈوں میں کیا پروگرام ہونا چاہئے۔ جو اساتذہ جوں توں کر کے کلاس روم میں پہنچتے، انہیں بھی بحث میں شامل کر لیا جاتا۔ جب دن کی یہ حالت ہو، تو رات کے وقت

کتاب کو ہاتھ لگانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بلکہ اس رات مال روڈ پر چہل قدمی کرنے والوں میں چند اور نفوس کا اضافہ ہو جاتا۔ یہ صرف ہماری ہی حالت نہ تھی کالج وغیرہ میں ایسے دلچسپ ایام آیا ہی کرتے ہیں۔

بدقسمتی سے پی ایم اے کے پراسپیکٹس دستیاب نہیں تھے۔ لہٰذا اصلی قواعد وضوابط کا مطالعہ نہیں کر سکے۔ اکیڈمی میں غیر تحریری قواعد وضوابط کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہے۔ مار پیٹ کی یہ کارروائی آج تک کوئی قلمبند نہیں کر سکا۔ جس کی وجہ سے کیڈٹ کو ہر سنی بات پر اعتبار کرنا پڑتا ہے۔ کالج سے تازہ بہ تازہ فارغ ہونے والے لڑکے کے ذہن میں بارش کے دن حاضری کا تصور کباب میں ہڈی نگلنے کے مترادف ہے اور پی ایم اے میں تو یہ کباب اکثر پانی پیئے بغیر نگلنے پڑتے ہیں۔

پہلی بارش ہمیں بہت اچھی لگی۔ سامنے کاکول کے اونچے نیچے پہاڑوں میں بھورے بھورے بادل آنکھ مچولی کھیل رہے تھے۔ روم میٹ نے پردہ داروں کی طرح لحاف سے منہ نکالا اور آواز لگائی۔ کیا آج بھی فال ان (Fall in) ہوگا۔ میں سوال کا جواب ''جی ہاں'' میں دے کر اس کا دل نہیں توڑنا چاہتا تھا۔ بہرحال سب اس روز صرف اس لئے جلد بیدار ہوئے کہ کوئی یہ خوشخبری سنا دے کہ آج فال ان نہیں ہے۔ کیڈٹ بہت تیزی سے ایک دوسرے کے کمروں میں آ جا رہے تھے۔ ایک تجربہ کار فوجی کیڈٹ نے امید کی جھلک یوں دکھائی۔

"بارش کے دن میرے یونٹ میں پی ٹی کا پیریڈ معاف ہو جاتا تھا"۔

ایک کیڈٹ نے یہ سن کر زور سے کہا "زندہ باد!"

اس کے بعد زندہ باد کہنے والوں کی تعداد آہستہ آہستہ بڑھتی گئی۔ ہر ایک بڑھ چڑھ کر بارش کو خراج تحسین پیش کر رہا تھا۔ جو خاموش تھے، وہ برستے پانی کو اپنی مسکراتی آنکھوں کا سلام پیش کر رہے تھے۔ یکا یک کسی کو ناشتہ یاد آیا۔

"یار! یہ بریک فاسٹ کہاں ملے گا؟ آج میس جانے کو جی نہیں چاہتا"

"بریک فاسٹ کی خیر ہے! دعا کرو گراونڈ سے جان بچ جائے"۔

دعا دل سے نکل رہی تھی۔

گانے سے پانی کا خاص تعلق ہے۔ پانی اگر بلندی سے گر رہا ہو تو گانے کی آرزو دوچند ہو جاتی ہے۔ بلندی بھی ایک جیسی نہیں ہوتی۔ چند لوگ گانا شروع کرنے کیلئے بادتوں ایسی بلندی سے گزرنے والے پانی کا انتظار کرتے ہیں۔ البتہ کچھ من چلے باتھ روم کے بونے نلکے کی دھار دیکھ کر بے تاب ہو جاتے ہیں۔ پی ایم اے میں پہلی بارش کے دن ہمیں دونوں قسم کا پانی دستیاب تھا اور یہ شعر ہر کوئی پکار رہا تھا۔

اے ابرِ کرم! آج اتنا برس
اتنا برس کہ "ہم" جا نہ سکیں

بانکے سجیلے کیڈٹوں کا یہ انداز دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ آج کچھ نہ کچھ ہو کر رہے

گا۔

ابر کرم اس روز واقعی کرم فرمائی پر تلا بیٹھا تھا۔ بارش کبھی تیز اور کبھی ہلکی ہو جاتی۔ اس دوران ایسا وقت بھی آیا کہ چند منٹ کیلئے رک گئی۔ جونہی بارش رکی، کیڈٹ بآواز بلند ابر کرم کو پکارنے لگے۔ کاکول کا موسم اور کیڈٹ کا موڈ، دونوں خوشگوار ہو گئے۔ پہلا پیریڈ پی ٹی کا تھا اور ظاہر ہے کہ پی ٹی کیلئے بڑی گراؤنڈ بہت ضروری ہے۔ پی ایم اے جانے سے پہلے ہمارا بھی یہی خیال تھا لیکن بارش کے دن پتہ چلا کہ پی ٹی ہر جگہ ہو سکتی ہے۔ قصہ مختصر ''فال ان'' سے آدھ گھنٹہ پہلے حکم ملا کہ آج بیرک کے برآمدے میں پریڈ ''فال ان'' ہو گا۔

بیرک کے برآمدے پر ٹین کی خاصی مضبوط چھت تھی۔ تاہم اس میں ہوا اور پانی کی قدرتی گزرگاہیں بھی موجود تھیں۔ پریڈ ''فال ان'' ہوئی تو برآمدے کے کئی حصے ''شاور'' بنے ہوئے تھے۔ ''فان ان'' سے پہلے ہم نے پلاٹون سارجنٹ سے کئی مرتبہ پوچھا کہ لباس موسم کے مطابق ہو گا یا ٹائم ٹیبل کے مطابق۔ سارجنٹ سردی میں بھی آگ بگولا ہو رہا تھا۔ اس کے بس میں ہوتا، تو بنیان بھی اتروا دیتا۔ اس بنیان کو پی ایم اے میں پی ٹی شرٹ کہتے ہیں۔ سخت سردی اور سردیوں کی موسلا دھار بارش جو ہمیں گرم کمروں میں بند شیشے والی کھڑکیوں سے دعوت نظارہ دے رہی تھی باہر نکلتے ہی کاٹنے لگی۔

پریڈ میں کھڑے رہنا محال تھا۔ سردی کو ختم کرنے کیلئے کیڈٹ رضا کارانہ اچھل کود میں مصروف تھے۔ یخ بستہ ہوا کا جھونکا آیا اور سب سی سی کرتے رہ گئے۔ ساتھ ہی ایک طرف سے پی ٹی سٹاف نمودار ہوئے اور پی ٹی شروع ہوگئی۔ اس دن کیڈٹ کے ہونٹ کان اور ہاتھوں کی انگلیاں بھی خود بخود ڈبل کر رہی تھیں۔ ہم نے ان کو بہیترا کنٹرول کیا، لیکن سردی کی یلغار نے تمام کوششیں ناکام بنا دیں۔ بیرک کا برآمدہ گراؤنڈ کا کام دے رہا تھا اور اس روز یہ خوش آئندہ اطلاع بھی ملی کہ کیڈٹ کو ایک ہی جگہ پر ایک میل دوڑ کی پریکٹس کرائی جا سکتی ہے۔

پی ایم اے کی تمام گراؤنڈیں دور سے بہت اچھی لگتی ہیں اور ہمیں تو اس لئے بھی زیادہ عزیز تھیں کہ ان سے اکثر ملاقات رہتی تھی۔ گراؤنڈوں سے یہ پیار اور محبت رنگ اور آہستہ آہستہ بیرک کے برآمدے، کیفے ٹیریا روڈ، کمرے کے خالی حصے، میس کی باغیچی، اور کینٹین کی کچی سڑک کے علاوہ ذاتی بستر نے بھی گراؤنڈ کا روپ دھار لیا۔ ان گراؤنڈوں پر ہمارے مشاغل بھی وہی تھے۔ جو بڑی گراؤنڈوں پر انجام دیتے رہے ہیں۔ فرق صرف یہ تھا کہ بڑی گراؤنڈوں کے مشاغل کا تحریری ریکارڈ رکھا جاتا تھا اور نئی غیر سرکاری گراؤنڈ پر ہونے والی وارداتیں کسی کھاتے میں نہیں تھیں۔ دراصل یہاں سینئرز سٹاف اور دلچسپی رکھنے والے دوسرے افراد نے اپنے خیالات کو عملی جامہ پہنانے کیلئے خاص جگہیں تلاش کر رکھی تھیں۔ یہ جگہیں اپنی ہیت اور جسامت کے لحاظ

سے خاصی اذیت ناک تھیں، مثلاً کیفے ٹیریا روڈ اور اس کے سامنے واقع جنگلی قسم کی گراؤنڈ کو لے لیجئے، کیفے ٹیریا روڈ چہل قدمی اور موٹر ڈرائیونگ کیلئے شاندار روڈ ہے، لیکن نئے نئے کیڈٹ کو ان باتوں سے کیا غرض! اس کی سہولت تو اس بات میں ہے کہ گراؤنڈ ہموار اور مختصر ہو تاکہ دوڑ لگانے میں آسانی رہے۔ کیفے ٹیریا روڈ ان دونوں خوبیوں سے محروم ہے۔ کیفے ٹیریا کے عین سامنے سڑک کا تقریباً تیس چالیس گز کا حصہ چڑھائی اور ڈھلان کا بگڑا ہوا مرکب ہے۔ میرے پلاٹون کے ڈرل سٹاف کو یہ جگہ بہت پسند تھی۔ وہ اکثر اپنے اوقات میں ہمیں کافی دیر تک یہاں سیر کراتے۔ کیفے ٹیریا کا لانگری (cook) بھی انہی اوقات میں سموسے، گلاب جامنیں اور جلیبیاں وغیرہ تیار کرتا تھا اور ان نعمتوں کی خوشبو ڈرل میں کیڈٹ کے معدہ کو تڑپایا کرتی تھی۔

کیفے ٹیریا کا بڑا پھاٹک اور اس کے ساتھ سڑک کے کنارے لگا ہوا بجلی کا کھمبا مخصوص اہمیت کے حامل ہیں۔ اکثر کیڈٹوں کی ٹولیاں پوری رفتار سے ان کی طرف بھاگتی ہوئی نظر آتیں۔ یہ مشغلہ رضا کارانہ نہیں تھا، بلکہ اس کے پیچھے سٹاف کی تمام تر ذہنی کاوشوں کا ہاتھ تھا۔ وہ دو تین سو گز کے فاصلے پر کھڑے رہتے اور بیس پچیس کیڈٹوں کو ایک ساتھ بھگایا جاتا۔ ان میں سے واپسی پر پہلے دو کھڑے کر دیئے جاتے اور باقی دوبارہ بڑے پھاٹک یا بجلی کے کھمبے کو ہاتھ لگانے کیلئے چھوڑ دیئے جاتے۔ اس دوران اول اور دوم آنے والے آپس میں فتح مندی کی مسکراہٹوں کا تبادلہ کرتے۔ یہ بات

سٹاف کیلئے حد سے زیادہ پریشان کن تھی، کیونکہ اس طرح کھڑے ہوئے کیڈٹوں کی تربیت پر غلط اثرات کے حاوی ہو جانے کا خطرہ تھا۔ لہٰذا وہ بہت نرمی سے کہتے ''صاب! آپ کھڑے ہوئے کیا کر رہے ہیں؟ ذرا وہ سامنے والی بیرک کے دوسرے دروازے کو ہاتھ تو لگا ئیں''۔ اور جاتے ہوئے یہ آواز بھی سنائی دیتی۔ دو میں ایک پہلے مانگتا ہوں۔

پلاٹون کمانڈر یا سٹاف کے کسی پسندیدہ درخت، دیوار، بجلی کے کھمبے کو ہاتھ لگا کر واپس رپورٹ کرنا اکیڈمی کی تمام گراؤنڈوں کا عام فہم کھیل تھا۔ شروع شروع میں یہ کھیل بچگانہ لگا، لیکن بعد ازاں سی ایم ایچ پاس، نوجوان بھی اس سے پناہ مانگنے لگے۔ پی ٹی یا ڈرل گراؤنڈ میں یہ کھیل مختلف انداز سے کھیلا جاتا تھا۔ اس موقع پر نہتے کیڈٹ کے ہاتھ میں بوتل کے کارک سے ملتی جلتی قوی الجثہ چیز تھما دی جاتی۔ اس چیز کو کچھ من چلوں نے ''پی ایم اے کارک کا نام'' بھی دے رکھا تھا۔ ایسے اس کے بے شمار نام تھے کیڈٹ اپنی صحت، ہمت یا حیثیت کے مطابق مناسب جگہ پر رکھ کر کھیلنے میں مصروف ہو جاتا (یہاں مناسب جگہ سے مراد کندھا، بازو، ہاتھ اور سر ہیں)۔

کیفے ٹیریا کی قدرتی ہمسائی ''جنگلی گراؤنڈ'' ہمارے زمانے میں کیڈٹوں کا اوپن سائیڈ روم تھا۔ پی ٹی اور ڈرل کے پریڈوں میں دور سے میلے کا منظر دکھائی دیتا۔ پیریڈ ختم ہوتے ہی کیڈٹ یہاں رش کرتے۔ ہر کیڈٹ کا سامان اس کے پلاٹون کی لائن

میں سلیقے سے رکھا ہوتا ہے۔ اس کے باوجود اشیاء ادھر ادھر ہو جاتی ہیں۔ مثلاً ڈرل سے آئے ہیں اور پی ٹی پیریڈ کی تیاری ہو رہی ہے۔ خاکی وردی اتاری جا رہی ہے اور پی ٹی ڈریس پہنچ رہے ہیں۔ عین اس موقع پر کسی کیڈٹ کی آواز گونجتی ہے۔ ''میری نیکر کون لے گیا؟ میں نے تھیلے کے ساتھ رکھی تھی''۔ ظاہر ہے چیخنے چلانے سے نیکر نہیں مل سکتی۔ لہٰذا ہنگامی طور پر دوسرے پلاٹون سے رابطہ قائم کیا جاتا ہے، جو ابھی پی ٹی سے واپس آیا ہے اور ڈرل کیلئے جا رہا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد کیڈٹ اپنے سائز کی نیکر تلاش کر کے پہن لیتا ہے۔ اس کامیابی پر خوشی سے اس کا چہرہ چمک اٹھتا ہے۔ نیکر کی گمشدگی بہت بڑا جرم نہیں ہے۔ بس صرف یہ سزا ملتی ہے کہ شام کو ایکسٹرا پی ٹی میں آنا ہوگا پلاٹون کمانڈر کے سامنے پیش ہو کر نصیحت سننی پڑے گی۔ ان باتوں سے یہ بہتر ہے کہ شریف آدمی نیکر پہن کر چالیس پنتالیس منٹ پسینہ نکال لے۔

بات جنگلی گراؤنڈ کی ہو رہی تھی۔ یہ جگہ صرف کپڑے تبدیل کرنے ہی کے کام نہیں آتی، بلکہ موقع کے مطابق اسے جائے سزا میں بدل دیا جاتا ہے۔ اس تبدیلی کا انحصار ڈرل گراؤنڈ کی مصروفیت اور کیڈٹوں کی تعداد پر ہے۔ سزا پانے والے کیڈٹ کی آخری خواہش یہ ہوتی ہے کہ سزا جنگلی گراؤنڈ میں وصول نہ کی جائے۔ اس کی وجہ گراؤنڈ کے ابھار اور کانٹے دار جلد شگاف جڑی بوٹیوں کی بہتات نہیں، بلکہ کیفے ٹیریا کی قربت تھی۔ یہاں سے مہمان افسری کا نظارہ کرتے ہیں۔ کیڈٹ کو پی ایم اے کے

رہنے والوں سے کوئی پردہ نہیں تھا۔ مثلاً ہمارا اردلی سزاؤں کے معاملے میں ذہین ترین مشیر تھا اور وہ ان کی روم تھام کیلئے اکثر گراں قدر تجویزیں پیش کرتا تھا۔ علاوہ ازیں ہماری ہمدردی میں کیفے ٹیریا والوں نے ایسی اشیاء خوردونوش تیار کر رکھی تھیں۔ جنہیں کھانے کے بعد مضبوط سے مضبوط تر معدہ والا کیڈٹ بھی ایم آئی روم جانے پر مجبور تھا۔ ''ہاف ہالیڈے'' کے دن کیفے ٹیریا میں رونق قابل دید ہوتی تھی۔ ہم ایسے کئی کیڈٹ جنہیں یقین تھا کہ ان کے اپنے ملاقاتیوں کا کال آنا ناممکن ہے، بہت تیاری کے ساتھ کیفے ٹیریا جاتے اور دو تین گھنٹے اس قسم کی خبریں جمع کرنے میں صرف کر دیتے کہ پلاٹون کے کس کیڈٹ کو گیسٹ سے آمدنی ہوئی ہے اور کون سا کیڈٹ اپنی پونجی کیفے ٹیریا میں لٹا آیا ہے کئی کیڈٹ کیفے ٹیریا سے لدے پھندے کمروں میں واپس آتے۔ ایک ہاتھ میں پھلوں کی ٹوکری، دوسرے میں سیب کے مربے کا ڈبہ، بغل میں حبشی حلوے کا پیکٹ۔ اس کے علاوہ قمیص کی جیب جو دھوبی کے کلف کے بعد ڈیکوریشن پیس (Decoration piece) سامان تزئین بن گئی تھی خطرناک حد تک پھولی ہوئی، چند نوٹ جیب سے نکل کر تازہ ہوا کھا رہے ہیں۔ کیڈٹ چلا آ رہا ہے، امداد کی متعدد پیش کشیں ٹھکراتے ہوئے۔ اگرچہ اسے یقین ہے کہ کمرے میں ایک شے بھی زندہ سلامت نہیں رہے گی، تاہم کچھ دوستوں نے اس معاملے میں خاصی دوراندیشی کا ثبوت بھی دیا۔ وہ اشیائے خوردنی اگلے ہاف ہالیڈے تک کچھ اس طرح

سنبھال کر رکھتے کہ ان کا کمرہ ہفتوں ان اشیاء کی خوشبو سے مہکتا رہتا اور خوشبو بھی اتنی تیز کہ اگر ناک پر رومال رکھے بغیر کمرے میں گھس گئے تو معدے میں محو استراحت لنچ یا ڈنر سنبھالنا مشکل ہو جاتا تھا۔

کیفے ٹیریا میں باہر سے آنے والے ملاقاتی ہر لحاظ سے مقدم تھے لیکن کئی لحاظ سے کیڈٹ کے رکھ رکھاؤ کیلئے بے حد خطرناک بھی۔ یہ جب ہمیں پی ایم اے کوٹ پتلون اور ٹائی کے علاوہ کسی اور ڈریس میں دیکھتے تو اخباری نمائندوں کی طرح سوالات کی بوچھا کر دیتے۔ ان سوالات کے صحیح جواب دے کر کیڈٹ اپنی تصدیق شدہ قدر و منزلت میں غیر منافع بخش کمی کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ بات دراصل یہ ہے کہ کچھ ملاقاتی اس توقع میں کاکول آتے ہیں کہ وہاں چل کر اپنے ہونہار بردا کے چکنے چکنے پات کا افسرانہ مظاہرہ دیکھیں، لیکن جب برخوردار ایکسٹرا ڈرل کے ڈریس میں نظر آتا ہے، تو بعض مائیں شانے ٹٹولتی ہیں اور ساتھ ہی یہ سوال ان کی زبان پر ہوتا ہے۔ ”بیٹا! تم نے پھول کہاں لگائے ہیں؟“ بے چارا کیڈٹ اس کے سوا اور کیا کہے۔ ”پیاری ماں! اردلی کو کئی مرتبہ سمجھایا ہے وہ آج پھر بھول گیا“۔ یہ صورتحال ہر ایک کے ساتھ پیش نہیں آتی، باپ یا بھائی اگر فوج سے وابستہ ہے اور ملاقاتی بن کر ان کی تشریف آوری ہوتی ہے تو کیڈٹ کی حالت ایسی دکھائی دیتی ہے جیسے پلاٹون کمانڈر کا اچانک بلاوا آ گیا ہے۔

پی ایم اے میں دو مشہور گراؤنڈیں ہیں۔ ایک ڈرل گراؤنڈ اور دوسری پولو گراؤنڈ۔ ہر کیڈٹ اپنی ٹریننگ کا آدھے سے زیادہ وقت انہی گراؤنڈ میں گزارتا ہے۔ ڈرل اور پی ٹی کے علاوہ دوسرے آؤٹ ڈور پیریڈ کے لئے یہی مقامات زیر استعمال آتے ہیں۔ ڈرل گراؤنڈ جو دور سے سیاہ نظر آتی ہے۔ اپنے ظاہری میک اپ کی وجہ سے بہت خوبصورت لگتی ہے۔ ہم نے کئی ایسے لوگوں کو دیکھا جو خاردار تاروں کے پیچھے سے اپنے بچوں کو کندھے پر اٹھائے انگلی کے اشارے سے یہ گراؤنڈ دکھا رہے ہوتے۔ ''بیٹا یہاں پاسنگ آؤٹ ہوتی ہے''۔ پاسنگ آؤٹ واقعی فوجی تربیت کا مقدس ترین مرحلہ ہے۔ اس لحاظ سے یہ گراؤنڈ بھی ای خاص مرتبہ رکھتی ہے۔ ڈرل سٹاف گراؤنڈ کے اس مقدس پہلو پر خاص زور دیتے ہیں۔ کیڈیٹ کی ہر غلطی کا نتیجہ گراؤنڈ کی ''توہین'' کی صورت میں نکلتا ہے۔ اور سزا کے طور پر کیڈٹ کو گراؤنڈ کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ جس کی کھردری سطح بار بار اپنے وجود کا احساس دلاتی ہے۔

آیئے آپ کو اس گراؤنڈ کی سیر کرائیں۔ پی ایم اے کے بڑے پھاٹک سے داخل ہوتے ہی بائیں جانب ایک سیاہ رنگ کا میدان نظر آئے گا۔ یہی مشہور ڈرل گراؤنڈ ہے جہاں پاسنگ آؤٹ کے علاوہ اور بھی بہت کچھ ہوتا ہے۔ جو پاسنگ آؤٹ سے بہت مشکل ہے۔ اگر آپ اس گراؤنڈ کے سٹیج پر کھڑے ہو جائیں تو دائیں جانب کوارٹر گارڈ ہے اور سامنے خوبصورت کیڈٹ میس۔ بائیں جانب حد نگاہ تک پی ٹی ایریا بیک

سائیڈ پر پی ٹی ایریا کی ''شام لاٹ'' اور چند گز کے بعد خاردار تار جہاں سے سڑک سے اس پار پولوگراؤنڈ نظر آتی ہے۔ پولوگراؤنڈ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ گھوڑوں یا گھڑسوار انسانوں کے کام کی چیز ہے لیکن خدا جھوٹ نہ بلوائے، ہم نے اپنے دور میں گھوڑوں کو دو تین موقعوں کے سوا اصطبل ہی میں جھولتے پایا۔ البتہ کیڈٹوں کی ٹولیاں، بیشتر اوقات یہاں چوکڑیاں بھرتی ہیں۔ بھانت بھانت کے رسے بے شمار تھے۔ جن پر چڑھنے اور اترنے کیلئے ڈارون کے انسان کی سی خصوصیات پیدا کرنی ضروری ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف سائز کی دیواریں اور گڑھے بھی ہم سے بغل گیر ہونے کیلئے بے قرار رہتے تھے۔ اسی گراؤنڈ میں باکسنگ کا فن سیکھا اور بعدازاں اس فن کے عملی نقوش اپنے چہرے پر ثبت کرائے۔ باکسنگ کے علاوہ یہ گراؤنڈ ایک میل دوڑ کیلئے بہت مشہور تھی۔ یہ دوڑ ہر کیڈٹ سے یکساں سلوک نہیں کرتی۔ کچھ دوستوں پر پولوگراؤنڈ کا اچھا اثر ہو گیا تھا۔ وہ سیٹی بجتے ہی یوں بھاگتے جیسے کوئی جنگلی جانور ان کا پیچھا کر رہا ہو اور اس محفل میں ہم ایسے بھی کئی کیڈٹ تھے جنہیں سٹاف کے نعرے بھی تیز بھاگنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔

پی ایم اے میں ایک میل دوڑ کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ پولوگراؤنڈ میں چاروں صرف سرخ رنگ کے جھنڈے لگائے جاتے ہیں۔ جونہی جنگلی گراؤنڈ سے ہماری نگاہ ان جھنڈوں پر پڑتی، تو چہروں کی ساری سرخی ٹانگوں میں منتقل ہو جاتی۔ اس مرحلے پر

کوارٹر گارڈ کے قریب واقع ایک کمرے کے نزدیک کافی ہجوم جمع ہو جاتا۔ بے قراری، اضطراب اور افراتفری صرف پانچ منٹ کیلئے تھے۔ ادھری سیٹی ہوئی ادھر پلاٹون نے بھاگنا شروع کر دیا۔ پہلے چکر ہی میں معلوم ہو جاتا کہ کون کتنے پانی میں ہے۔ ایک جھنڈا عبور کیا، دوسرا، پھر تیسرا اور اس کے بعد...... اف میرے اللہ کاش زمین میں دھنس جاتے! پھر آخری جھنڈا.......... آخری چکر.......... پی ٹی صاحب ٹیں ٹیں کا شور مچا رہے ہیں۔ قدم اٹھتے ہی نہیں۔ چلیے یہ مرحلہ ختم ہوا۔ اب ''نائین'' (9) کی باری ہے اور اسی طرح ''ایٹ'' (8) وغیرہ۔

پولو گراونڈ پی ایم اے کی چار دیواری سے باہر ہے۔ اس لیے عام پبلک بھی کیڈٹ کے مظاہرے دیکھ کر توانائی حاصل کرتی ہے۔ ایک مرتبہ ہمارا پلاٹون گڑھا بذریعہ رسہ عبور کرنے کی مشق کر رہا تھا۔ کیڈٹ پندرہ بیس گز سے بھاگ کر آتے اور رسہ پکڑ کر دوسرے کنارے پر جا لگتے۔ گڑھا اپنی شکل وصورت کے اعتبار سے پھولے ہوئے مین ہول سے کم نہیں تھا اور اس روز شاید بارش کا پانی بھی کیچڑ کی صورت میں وہاں جمع ہو گیا تھا۔ گڑھا عبور کرتے ہوئے یہ خوف فطرتاً ذہن میں رہتا کہ اگر گڑھے میں گر گئے تو مٹی کے پتلے بن جائیں گے۔ اس خیال سے ذہن اور قدم دونوں متاثر تھے۔ کئی کیڈٹ کیچڑ میں لت پت ہو گئے۔ فوجی تربیت میں یہ عام بات ہے اور کوئی برا نہیں مانتا۔ ایک کیڈٹ بار بار گڑھے میں گر رہے تھے۔ دراصل ان کے ہاتھ میں مٹی لگ

جانے سے پھسلن ہوگئی جس کی وجہ سے رسہ قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ یہ گڑھا سڑک کے قریب ہی واقع ہے اتنا قریب کہ سڑک سے گزرنے والے ہر شخص کو کیڈٹ نظر آتا ہے اور شاید یہی صورتحال سڑک سے تھی۔ صبح کے وقت اس سڑک پر خاصی رونق ہوتی جسے دیکھ کر کیڈٹ کا مورال ہائی رہتا۔ ہر کیڈٹ باری باری گڑھا عبور کرنے کے بعد ڈنٹر پوزیشن میں زمین پر لیٹ جاتا۔ اس حالت میں کیڈٹ کی نگاہیں سڑک پر اور کان پلاٹون کمانڈر یا سٹاف کی آواز پر لگے ہوتے۔ سڑک سے روزانہ کئی بسیں گزرتی تھیں۔ ایک بس جس کا رنگ سب سے مختلف تھا، اکثر اس وقت گزرتی جب ہم گڑھا پھلانگنے کی مشق کر رہے ہوتے۔ اس روز جب یہ بس گزری تو گڑھے میں بار بار گرنے والے صاحب مصروف کار تھے۔ اتفاقاً بس کے گزرنے اور صاحب کے گڑھے میں چیخ کے ساتھ گرنے کا وقت ایک ہو گیا۔ بس کی سواریوں نے جو عام بسوں کی عام سواریوں سے مختلف تھیں۔ اس منظر سے لطف اندوز ہونے کا عملی ثبوت یہ فراہم کیا کہ ایک خوبصورت یا مشترکہ قہقہہ بلند کر دیا اور اس کی بازگشت ہمیں بھی سنائی دی۔ قہقہہ سن کر پلاٹون کمانڈر نے بس کی طرف دیکھا۔ پھر ہم سے نظریں چار ہوئیں اور اس کے بعد پلاٹون ہر وہ کام کر رہا تھا جسے دیکھ کر کوئی بھی حساس شخص المیہ شاعری میں اپنا مقام بنا سکتا ہے۔

رات کے کھانے کے بعد کیڈٹ سارے دن کی کارروائی پر تبصرے کر رہے تھے۔

کسی کی کہنی سے خون رس رہا تھا تو کوئی اپنے پنکچر گھٹنے کو پکڑے بیٹھا تھا، سب اس کیڈٹ کو کوس رہے تھے جس کی وجہ سے سارے پلاٹون کو رگڑا ملا۔

"تم سے گڑھا نہیں ٹاپا جاتا ہے"۔

"میں نے کوشش تو کی ہے"۔

"خاک کی ہے! پھر پلاٹون کمانڈر کو غصہ کیوں آیا؟"

"شاید وہ بس کے قہقہے پر ناراض ہو گئے"۔

اس حقیقت کی سب نے تائید کی۔ وہ بس جسے ہم اچھی نگاہوں سے دیکھا کرتے تھے بلکہ جس کی آمد کا انتظار ہوتا تھا اس واقعے کے بعد ہماری نفرت کا مرکز بن گئی اور وہ کبھی نگاہ میں آجاتی تو بے اختیار منہ سے نکلتا "اللہ کرے تیرے ٹائر پنکچر ہو جائیں!" بد دعا کے باوجود بس کے ٹائر سلامت رہے اور وہ روزانہ چوتھے گیئر میں ہمارے سامنے سے گزر جاتی، شاید اس کی سواریاں ہم کیڈٹوں سے زیادہ "معصوم" تھیں۔

میرا پلاٹون

میرا پلاٹون موسم بہار کا گلدستہ تھا۔ موتیا، چنبیلی، گلاب، سدا بہار اور گل داؤدی ہر قسم کے پھول اپنی رنگا رنگ خوبیوں کے ساتھ یکجا تھے۔ البتہ گوبھی کے پھول کے دو تین پتے بھی تھے جو سونگھنے کے ساتھ ساتھ سلاد بنانے کے کام آیا کرتے تھے۔ اس گلدستہ کے نگران پلاٹون کمانڈر تھے۔ پی ایم اے کے روایتی پلاٹون کمانڈر کی طرح سپاٹ اور صرف کام کی بات سے مطلب رکھنے والے افسر تھے۔ کیڈٹ کی زندگی بسر کئے کئی برس ہو چکے ہیں۔ یہ کوئی معمولی عرصہ نہیں۔ اس کا صحیح اندازہ اس وقت ہوتا ہے

جب میں کسی نئی نویلی چھاؤنی کی آفیسرز میس میں خاموشی سے نظر دوڑاتا ہوں، تو پہلی نظر میں گلدستہ کے کئی پھولوں کی پہچان میں خاصی دقت ہوتی ہے لیکن جونہی آنکھیں چار ہوئیں اور اک نعرہ گونجا، محبت اور پیار کا یہ نعرہ پہلے روز کی طرح تروتازہ ہے۔ اس کی اصل وجہ پی ایم اے میں پلاٹون کے کیڈٹوں کا باہمی میل جول بھائی چارہ اور ایک دوسرے کو اپنا سمجھنا ہے۔

یہ پلاٹون پچیس نوجوانوں کا ایک ٹولہ ہے۔ T5 کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ جب سے پلاٹون کے تیس کیڈٹ ایک میل دوڑ میں پورے دس نمبر لے کر اول آئے ہیں۔ پوری اکیڈمی میں اس کی دھوم ہے۔ حالانکہ ہم اپنے قدرتی ڈھانچوں کے لحاظ سے دوسروں کی نسبت غیر معمولی نہیں ہیں۔ اس پلاٹون میں سب سے آگے چلنے والی شخصیت پلاٹون کمانڈر کی ہے جو عہدے، مرتبے اور بات چیت کے اعتبار سے فی الواقع میجر ہیں۔ وہ اکیڈمی میں بطور کیپٹن آئے۔ دو تین ماہ بعد ایک روز کلاس میں داخل ہوئے تو شانے پر تین پھول کے بجائے ایک کراؤن (چاند تارا) چمک رہا تھا۔ سینئر جنٹلمین کیڈٹ نے سب کی طرف سے مبارکباد دی۔ انہوں نے یہ مبارکباد بھی یوں وصول کی جیسے ان کا ٹرن آؤٹ ٹھیک نہ ہو۔ بہر حال اس رات میری پلاٹون کے کیڈٹ ادھر ادھر سے مبارکیں لیتے رہے۔ پلاٹون کمانڈر فیملی مین تھے۔ ایک تجربہ کار کیڈٹ کے خیال میں یہ کیڈٹ کی بہت بڑی خوش قسمتی تھی۔ اب ہماری شام اور رات

آرام سے گزرا کرے گی۔ پلاٹون کمانڈر فیملی مین ہے۔ ان کا اندازہ غلط نکلا کیونکہ پلاٹون کمانڈر نے ایسی حرکات شروع کر دی تھیں جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ سچے ''فیملی مین'' نہیں ہیں۔ مثلاً سر شام اپنے کیڈٹوں کو پی ٹی گراؤنڈ کی سیر کرا رہے ہیں۔ ادھر ایبٹ آباد ان لمحات میں دعوت نظارہ دیتا۔ پی ٹی گراؤنڈ میں پلاٹون کمانڈر ہمیں موتیوں کے ہار خرید کر نہیں دیا کرتے تھے اور نہ ہی اس وسیع و عریض خطہ زمین پر مشروبات کا کوئی سٹال تھا۔ شام اور رات کے وقت درمیان فرق کو کیڈٹ غسل خانے میں پورا کرتے اور شب کا آغاز اس انداز سے ہوتا کہ کاپیاں پنسل ہاتھ میں لئے ''پڑھاکو'' بنے بیٹھے ہیں۔ کبھی کبھی بالواسطہ طور پر ہم ان سے ''شریکوں'' کا ذکر یوں کرتے! (گفتگو بزبان انگریزی)

''سر! فلاں سر اپنے بچوں کے ساتھ ایبٹ آباد جا رہے تھے۔ ان کا یہ جواب کیڈٹ کی شریر آنکھوں کی ساری چمک دمک ختم کر دیتا۔ ''دیکھو! میں اپنے بچوں میں تو بیٹھا ہوا ہوں''۔ اور ساری بچہ پلاٹون نقشے پر دشمن کی کمین گاہ تلاش کرنے میں مصروف ہو جاتی۔ نائٹ کلاس ختم ہوئی تو ہوم ٹاسک کا اعلان ہو گیا یہ اس کے علاوہ ہے جو صبح ملا تھا۔ کلف زدہ قمیص ٹائی بھاری بھر کم پی ایم اے بیلرز (کوٹ) کے باوجود رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ یہ انداز تدریس شروع میں اک روگ لگا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب ہم شریکوں میں ممتاز ہو گئے تو شام اور رات کا ہر لمحہ خود بخود جگمگانے

لگا۔ بات پلاٹون کمانڈر کی ہو رہی تھی۔ ہمیں معلوم نہیں کہ وہ کھانے میں کیا چیزیں پسند کرتے تھے کیونکہ انہوں نے پلاٹون کو کبھی اپنے گھر کھانے پر مدعو نہیں کیا تھا۔ ایسا کرنا تو قانوناً بھی ناقابل تصور تھا۔ اس کے باوجود انہیں دیکھ کر پہلے ہی روز یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ دودھ، دہی، لسی اور گوشت مرغوب غذائیں ہیں۔ وہ سگریٹ کبھی کبھی سلگایا کرتے تھے لیکن مجھ ایسے کئی ''سگریٹ شکن'' کیڈٹوں کی بھی حوصلہ افزائی کرتے۔ مرغوب غذا کی بات ہو چکی، اب مشاغل کے بارے میں بھی سن لیجئے جو پلاٹون کمانڈر کی حیثیت سے ہونے والی مصروفیات کے علاوہ تھے۔

کیڈٹوں کو پی ٹی گراؤنڈ کی سیر کرانا (جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے)

پی ٹی کے ہر سرکاری پیریڈ میں سب سے پہلے پہنچنا اور مستقل مزاجی کے ساتھ پی ٹی ایریا میں ہونیوالی کارروائی میں بھرپور شرکت کرنا (اس مشغلے کی وجہ سے ان کی پلاٹون کے کیڈٹوں کو دوسروں کیڈٹوں کے سامنے کئی مرتبہ شرمندگی اٹھانا پڑتی تھی)۔

روٹ مارچ میں سب سے آخری چلنا تاکہ آہستہ آہستہ چلنے والے کیڈٹ مزید آہستہ چلنے سے محروم ہو جائیں۔

پلاٹون سے کٹ جانے والے کیڈٹوں کو تلاش کر کے خوب بھگانا اور دوبارہ منڈلی سے ملانا (یہ ڈیوٹی فی سبیل اللہ سرانجام دیتے تاکہ حقوق العباد کے ثواب لوٹ سکیں)۔

ہر بڑی چھوٹی ایکسر سائز (Exercise) کے بعد جب کیڈٹ اپنے کمرہ کے خواب دیکھ رہا ہو اسے دیر تک ''فال ان'' رکھنا اور ایسے موضوع پر گفتگو جاری رکھنا جس کو سننے کے بعد بے زبان کان بھی پھڑ پھڑانے لگیں (یہ اور بات ہے کہ سردی کی لہریں کان کو ''سن'' رکھیں)

روزانہ باقاعدگی سے کیڈٹوں کا ٹرن آؤٹ چیک کرنا (یہ مشغلہ اس لئے اختیار کیا گیا تھا کہ نائٹ کلب میں اپنی پلاٹون کے ووٹ حسب سابق سب سے زیادہ ہیں۔)

پبلک سپیکنگ (Piblic speaking) کے پیریڈ میں انگلش انسٹرکٹر کی موجودگی میں اپنے وجود کا احساس دلانا کہ رٹی ہوئی تقریر کے الفاظ ادائیگی کے وقت کانپنا شروع کردیں۔ (نتائج کا ذمہ دار کیڈٹ ہوگا۔)

نقلی بیماروں کو سٹاف کے حوالے کرنا اور اصلی بیماری کی پرخلوص تیمارداری (یہ تیمار داری یوں کی جاتی کہ بیمار کیڈٹ اپنی تمام تر خواہشوں اور جملہ دعاؤں کے باوجود دوسرے تیسرے دن غسل صحت کرلیتا اور بعدازاں جب وہ پلاٹون میں واپس لوٹتا تو اس سے ڈرل اور پی ٹی پیریڈوں کا حساب بے باق کرنے میں کبھی دیر نہیں لگائی جاتی تھی)۔

پاسنگ آؤٹ کے دن علی الصبح اپنے کیڈٹوں کے اس لباس کو بروقت چیک کرنا جو انہوں نے رائفل ''ایشو'' کراتے وقت پہن لیا ہو۔

پاسنگ آؤٹ کے بعد مہمانوں کے سامنے اپنے کیڈٹ کے قصیدے پرزور (پرسوز نہیں) آواز میں پڑھنا اور اس کے والدین کو یہ یقین دلانا کہ آپ کے ہونہار لڑکے سے قابل، نیک، ایماندار، دیانت دار اور سمجدار برخوردار ہم نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ ایسا لڑکا خدا ہر ماں باپ کو نصیب کرے"۔ یہ دعا مانگتے وقت ایسا تاثر دینا کہ والدین اپنے "نیک بخت" لڑکے کے ماضی کے تمام "گناہ" معاف کرنے کے علاوہ مستقبل کے دو چار برسوں کے متوقع "گناہوں" کی پیشگی معافی کا اس وقت اعلان کر دیں۔

پلاٹون کمانڈر کے مشاغل اور ہمارے وجود میں چولی دامن کا ساتھ تھا۔ لہٰذا اکثر دونوں ایک دوسرے کو زچ دینے کی کوشش کرتے، لیکن جیت اسی کی ہوتی جو "زمین اور موسم سے پورا فائدہ اٹھاؤ" کے اصول کو مدنظر رکھتا تھا۔ پلاٹون کمانڈر کو اپنے کیڈٹو سے جدائی گراں گزرتی تھی تبھی وہ ایسے اوقات میں بھی ہمارے درمیان آموجود ہوتے جب کیڈٹ کیڈٹ کو ملنے سے کنی کتراتا ہے۔ یہ لنچ کے بعد قیلولہ کے مقدس ترین لمحات تھے۔ ابھی لنچ کھا کر بستر پر دراز ہوئے کہ پلاٹون سارجنٹ ہانپتا کانپتا آ پہنچا "اٹھو، اٹھو، پلاٹون کمانڈر آ گئے ہیں۔ جلدی کرو موڈ بڑا آف ہے"۔ کئی نیم خوابیدہ قسم کے کیڈٹ اپنا نائٹ گاؤن سمیٹ کر دروازے کی طرف لپکتے تو سارجنٹ کی آواز سنائی دیتی۔ انہوں نے شام کی چائے پر نہیں بلکہ پی ٹی کیلئے بلایا ہے۔ چند سیکنڈ کے بعد کیڈٹ اپنا مقبول ترین لباس پی ٹی شرٹ اور نیکر پہن کر "سکپ جمپ" میں

مصروف ہو جاتا۔ پلاٹون کمانڈر بھی پی ٹی ڈریس پہن کر آتے تھے یہ اصول پرستی قابل قدر تھی اور انہی باتوں سے ایم پی اے کی اقدار اور روایات میں مزید اضافہ ہوتا رہا کیڈٹ بھی کسی سے پیچھے نہیں رہے انہوں نے اپنا ایک اصول وضع کر لیا اور وہ تھا ہر لنچ کے بعد پی ٹی ڈریس پہن کر قیلولہ کرنا۔ یہ سنہرا اصول بہت کام آیا۔

پلاٹون کمانڈر طبعاً پکے فوجی تھے اس کے باوجود رات گئے ہماری بیرک کا چکر لگا لیا کرتے تھے۔ یہ چکر کیڈٹ کو ملنے والے چکر عرف راؤنڈ نہیں تھے، بلکہ انگریزی میں "انسپکشن" تھے ان کے آنے کے اوقات توقعات کے برعکس ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر کیڈٹ دروازہ پر دستک کی آواز سن کر غیر سرکاری آرام باش کی حالت والے جملے دہرایا کرتے تھے۔ لیکن جواباً جونہی پلاٹون کمانڈر کی آواز کانوں سے ٹکراتی وہ مستقل ہوشیار ہو جاتے۔

آغاز میں کئی حماقتیں سرزد ہوئیں لیکن کچھ عرصے کے بعد ان کے آنے سے کیڈٹ کے چہرے پر آ جاتی تھی رونق.........

پلاٹون کمانڈر کے بعد سٹاف کا تعارف ضروری ہے ویسے تو تعداد کے لحاظ سے اکیڈمی میں ان کا کوئی شمار نہیں لیکن کیڈٹ کیلئے ہر ایک کو پہچاننا آسان تھا کیونکہ یادوں کے بگولے مطلع صاف ہونے کے باوجود آنکھوں کے سامنے گردش کرتے تھے۔ میری پلاٹون پر کم از کم دو سٹاف مستقل تعینات رہے ایک ڈرل اور دوسرے پی ٹی کے ذمہ

وار تھے۔ ڈرل سٹاف کو کیفے ٹیریا روڈ سے پیار تھا جب کہ پی ٹی سٹاف پولو گراؤنڈ کے شیدائی تھے ان سب کے پیار اور اشتیاق کی تکمیل کیلئے پچیس کیڈٹوں پر مشتمل پلاٹون تھی۔ پی ایم اے میں پہلے یا دوسرے دن جب ڈرل سٹاف نظر آئے تو طبیعت میں خاصا ہیجان پیدا ہوا۔

"یہ ان کے ہاتھ میں ڈنڈا کیوں ہے؟"

یہ سوال ہر ذہن میں تھا، شکل وصورت اور نام کے لحاظ سے وہ انتہائی شریف النفس نظر آ رہے تھے لہٰذا ان سے لاٹھی چارج وغیرہ کی توقع نہیں تھی اور بعد میں انہوں نے ڈرل پیریڈ کے بعد ایک کیڈٹ کے سوال پر سب کی حیرانی دور کر دی۔ یہ ڈنڈا ڈرل سمجھانے کیلئے ہے جواب کی تفسیر بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ڈنڈا کھول کر دکھایا تو وہ جیومیٹری کی ایک بڑی پرکار نکلا اور ہم نے ایک دوسرے کو ڈرپوک سمجھ کر ہنسنا شروع کر دیا۔

پی ٹی سٹاف..........جیسا کہ عہدہ سے ظاہر ہے..........ایک اچھے کھلاڑی اور تیز رفتار قسم کے فوجی تھے ان کے بس میں ہوتا تو ڈرل لیکچر اور دیگر پڑھائی لکھائی کو بند کرا کے صرف پی ٹی کراتے۔ جب پینتالیس منٹ کا پی ٹی پیریڈ ان کے بقول صرف دس منٹ میں ختم ہو جاتا تو وہ ہمارے فوجی مستقبل کے بارے میں سخت فکر مند ہو جاتے۔ ان کی ساری فکر اور غور وخوض کا نتیجہ اکثر سپیشل پی ٹی پیریڈ کی صورت میں نکلتا تھا۔ اس

خاص پی ٹی پیریڈ کا کوئی وقت مقرر نہیں تھا۔ وہ پی ٹی اور باکسنگ میں اپنی پلاٹون کو اول دیکھنا چاہتے تھے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ہر سٹاف اپنی پلاٹون کو اول (First) دیکھنا چاہتا تھا لیکن ایک ایک ہے دو چار نہیں ورنہ سب کی مشکل آسان ہو جاتی اور بے چارے کیڈٹ..........) اس مقصد کے حصول کیلئے انہوں نے ہمیں خوب محنت کرائی۔ پلاٹون کمانڈر بھی دامے اور سخنے ان کی مدد کرتے تھے۔ چھ میل کراس کنٹری ہو یا نو میل کی پٹھو ریس پی ٹی سٹاف گائیڈ کے طور پر آگے آگے بھاگتے۔ جب تھک جاتے تو کھڑے ہو کر ہماری حوصلہ افزائی شروع کر دیتے۔ پی ٹی میں رسہ چڑھنا اور دیوار عبور کرنا انہیں بے حد پسند تھا۔ کبھی کبھی خود بھی اس ہنر کا نمونہ دیا کرتے تھے۔

ڈرل اور پی ٹی کے بعد ایک WT کے سٹاف تھے اس شعبے میں پی ایم اے کے قیام کے دوران کئی سٹاف آئے اور چلے گئے ان کی اپنی دنیا تھی جو رائفل سٹین گن اور مشین گن وغیرہ کے ارد گرد گھومتی خصوصاً فائرنگ کی پریکٹس کے موقع پر ان سٹافوں میں پی ٹی سٹاف کی خوبیاں وغیرہ بھی عود کر آتیں، اور وہ سارے دن میں ایک آدھ پیریڈ پی ٹی کا بھی لگا لیتے۔ اس کی وجہ وہی پرانی بات تھی کہ کیڈٹ چلنے میں سست رفتار ہو گیا ہے۔ سچ پوچھئے تو یہ بات کافی حد تک درست تھی اس کی ذمہ داری کیڈٹ سے زیادہ سیروں وزنی رائفل یا مشین پر عائد ہوتی تھی بہر حال ان ہتھیاروں کے ساتھ

پی ٹی کی اپنی خوبیاں اور نزاکتیں ہیں۔ ڈبلیو ٹی سٹاف کی ایک اور اہم ترین خصوصیت سنگین کی لڑائی کا ایک عدد Demo دینے کے بعد کیڈٹوں سے دشمن پر چارج کرانا تھا۔ سارا پیریڈ دشمن کے پیٹ چاک کرنے میں گزر جاتا۔ رائفل اٹھائے حیدر حیدر کے نعرے لگاتے ہوئے کیڈٹ گراؤنڈ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بھاگتے رہتے۔ اصول کے مطابق حیدر کے لفظ کی ادائیگی کرتے وقت ایک خاص دھماکہ ضروری ہے۔ اس دھماکے کا سرچشمہ حلق ہوتا ہے۔ دھماکہ کی عدم موجودگی میں وپاس صاحب واپس کی آواز آ جاتی۔ ''یہ کیا ہے''۔ اس کے ساتھ وہ ہماری حالت کا Demo کچھ اس طرح بڑھا چڑھا کر پیش کرتے کہ خود کیڈٹ ہنسنے لگتا۔ ''میں مانگتا ہوں ایسے!'' حیدر اس کے ساتھ گراؤنڈ ان کی آواز سے تھرا اٹھتا۔

''اپنے چہرے پر غصہ لاؤ۔ دشمن کیلئے ہیبت ناک بن جاؤ۔ اس پر ٹوٹ پڑو۔ آگے بڑھو۔ یہ سٹاف کی للکاریں تھیں، جن سے ہم بے حد متاثر تھے اور دل کرتا کہ حیدر حیدر کے نعرے لگاتے ہوئے واقعی دشمن پر ٹوٹ پڑیں، لیکن جونہی ڈبلیو ٹی کا پیریڈ آف ہوتا۔ کیڈٹ اپنے بستے میں سے پبلک سپیکنگ کے نوٹس نکال کر دوبارہ رٹا شروع کر دیتے اور ڈبلیو ٹی سٹاف بھی پی ٹی اور ڈرل سٹاف کی صف میں نظر آتے۔ یہ سب حسرت بھری نگاہوں سے کیڈٹوں کو کلاس روم میں جاتا ہوا دیکھا کرتے تھے۔

کلاس روم آرام دہ تھے۔ یہی آرام کئی کیڈٹوں کو لے ڈوبتا۔ تھکے ماندے کیڈٹ

جب جنگی داؤ پیچ کی کلاس میں اونگھتے تو ان کی گردن جیومیٹری کے لحاظ سے پہلے نصف قوس بناتی اور پھر یکا یک اپنی اصل حالت پر واپس آ جاتی۔ گردن کی یہ آمدورفت انسٹرکٹر کو دور سے دکھائی دیتی تھی نیند سب کو آتی تھی کچھ کنٹرول کر لیتے لیکن بعض ایسے سوتے کہ صرف آنکھیں کھلی ہیں باقی سارا جسم سو رہا ہے۔ ایسے کیڈٹ کو جب اچانک کسی سوال کا جواب دینے کیلئے کھڑا ہونا پڑتا تو پی ایم اے سے منسوب لطیفوں میں مزید دو تین کا اضافہ ہو جاتا۔ چند کیڈٹ ان اوقات میں بھی بڑے چاق و چوبند نظر آتے تھے۔ بحث میں بھرپور شرکت کر رہے ہیں اور چہرے پر تھکاوٹ کے آثار بھی نہیں ہیں۔ ان سب کی چابکدستی کا راز پی ٹی، ڈرل اور ڈبلیو ٹی کے پیریڈوں سے غیر حاضری میں مضمر تھا۔ یہ غیر حاضری خدانخواستہ عمداً نہیں بلکہ سہواً تھی۔ مثال کے طور پر بیمار پڑ گئے پاؤں میں موچ آ گئی گلے میں خراش نے پریشان کر دیا، اور اس کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کی چٹ مل جاتی کہ پی ٹی ڈرل وغیرہ کی ممانعت کی جاتی ہے۔ میری پلاٹون میں ایسی غیر حاضری کے امکانات بہت کم تھے۔ ان بیماریوں کے علاوہ اور بہت دکھ تھے۔ ہم سب ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک رہا کرتے تھے۔ ان دکھوں کا تعلق دل سے تھا۔ سارے دن کی ملٹری ٹریننگ کے بعد جب مل بیٹھنے کا وقت ملتا تو ہوم ٹاسک کی فائل کو کنارے لگا کر دوستوں کی محفل لگتی اور ان دکھوں کو فال ان کیا جاتا۔

کھلتا کسی پہ کیوں میرے دل کا معاملہ

شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

درد کا حال بھی خاصا رقت انگیز تھا ایک درد کا علاج آیوڈیکس کی شیشی تھی لیکن دوسرے درد کیلئے..........

دردِ سے میرے ہے تجھ کو بے قراری ہائے ہائے

یہ ہائے ہائے زیادہ پاپولر نہیں تھی اس کے باوجود دکھ درج کے تذکروں سے سب کا دل لگا رہتا اگرچہ ان میں حقیقت کم اور گپ شپ زیادہ تھی۔ گپ شپ اس لئے کہ ہم ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے اور پہچانتے تھے۔ کسی کے ساتھ کچھ عرصہ گزارا جائے تو اسے پہچاننا مشکل نہیں۔ خیر چھوڑیئے ان باتوں کو.......... میری پلاٹون کا گلدستہ آپ کے سامنے ہے۔ ان میں سے چند پھلوں کا تعارف کراتا ہوں۔

کیڈٹ نمبرا:

قد بت چال ڈھال اور عادات عام کیڈٹوں سے مختلف تھیں لہٰذا بہت جلد ہم سب میں ممتاز ہو گئے۔ کلاس میں افلاطون اور باہر ارسطو تھے۔ سقراط انہیں سخت ناپسند تھا۔ باکسنگ کھیلتے وقت محمد علی (باکسر) کے پوز بناتے لیکن رنگ سے ایسے نکلے جیسے سونی لسٹن نکلا تھا۔ پسندیدہ کھیل رسہ کشی تھا اس میں نام پیدا کیا انعام ملا اور سب نے تالیاں بجائیں۔ رات کو بیرک میں پاکستان کی رسہ کشی ٹیم کے کپتان کا نام پوچھتے

رہے۔ جب پتہ چلا کہ ابھی قومی ٹیم کا انتخاب باقی ہے تو بہت خوش ہوئے۔ ہر ایکسر سائز کے آغاز میں آگے آگے چلتے اور اختتام پر Rear party کے سیکشن کمانڈر بن جاتے تھے۔ تلوار کے دھنی اور قول کے پکے تھے۔ میس کی پکی پکائی چیزیں بہت پسند تھیں اتوار کو کبھی کبھار دو ناشتے کر لیا کرتے تھے۔

کیڈٹ نمبر ۲:

مورچہ بڑی تیزی سے کھودتے تھے۔ یہ ان کی بہت بڑی خوبی تھی۔ ایک ایکسر سائز میں میرے ہم مورچہ تھے۔ رات گیارہ بجے سخت سردی کے عالم میں مورچہ کی کھدائی شروع ہوئی زمین پر پتھر بھی تھے۔ تقریباً ڈیڑھ بجے شب ان کی کوششوں سے مورچہ اس قابل ہو گیا کہ صبح اسے دکھا کر سرخرو ہو سکیں۔ اس کے بعد ہم دونوں نے دو گھنٹے آنکھ لگا لی۔ بس ایک دوسرے کے سامنے اکڑوں بیٹھ گئے۔ برساتی اوڑھ لی اور کپکپاتی ہوئی نیند کے مزے لوٹنے لگے۔ انہوں نے شرفا کی فہرست بنا رکھی تھی۔ ان لوگوں کی عزت کرتے تھے اور جو لوگ اس فہرست سے خارج تھے ان سے عزت کرواتے تھے۔ ڈرل میں بہت اچھے تھے پی ٹی میں میڈل جیتا۔

کیڈٹ نمبر ۳:

بولنے میں تیز چلنے میں تیز اٹھنے بیٹھنے میں تیز اور سب سے بڑھ کر دوسروں کا پیچھا کرنے میں تیز تر ڈرل میں ان کی تیزی سے کئی دفعہ پلاٹون کے پاؤں اکھڑ جاتے

تھے۔ دوستوں کی محفل کے دلدادہ تھے۔ اس کے باوجود کیفے ٹیریا اور فروٹ شاپ میں کھاتے نہیں تھا۔ پی ٹی اور ڈرل میں علی الترتیب بڑبڑایا اور شرمایا کرتے تھے۔ شرمانے کی اصل وجہ ایڈ جوئنٹ سے براہ راست مناسبت تھی وہ انہیں دور سے پہچان لیا کرتے تھے۔ خاکی وردی پر لال پٹہ بڑا اچھا لگتا تھا۔ بخار کی حالت میں سچ بولتے لیکن تندرست ہوکر سچ کو بخار کے سر چڑھا کر ذبح کر دیتے تھے۔

کیڈٹ نمبر۴:

بڑی بڑی بھوری مونچھیں رکھنے کا شوق تھا سبز تھیلا لٹکائے کندھے کو ایک جانب جھکا کر چلتے تھے۔ دور سے تعلیم بالغاں کی کلاس کے ہونہار طالب علم لگتے۔ ان کے پورے بتیس دانت صحیح سلامت تھے۔ پلاٹون کو ہر وقت صرف ایک نصیحت کرتے ”دوستو! دانت بڑی نعمت ہیں۔ کفران نعمت مت کرو“۔ اذان کے وقت نماز والی ٹوپی سر پر رکھے بیرک کے برآمدے میں کھڑے ہو جاتے۔ ایکسرسائز کے دوران ان کی کمانڈ میں ماتحت کو چین کی نیند میسر آتی کیونکہ وہ اس خیال کے داعی تھے کہ سیکشن کمانڈر خود سنتری کی ڈیوٹی ادا کر کے صورتحال پر کڑی نگاہ رکھ سکتا ہے۔ اکثر ساری ساری رات ان کی ٹانگیں اور نگاہیں کھڑی رہتی تھیں۔ البتہ صبح قدم لڑکھایا کرتے۔ سب کے دوست تھے اور خاص خاص دوستوں کی تصویری البم میں لگانے کا بہت شوق تھا اور ظاہر ہے کہ شوق کی خاطر انسان ہر دکھ بخوشی جھیلتا ہے۔ ڈانٹ ڈپٹ برداشت

کرنا تو معمولی بات ہے۔

کیڈٹ نمبر ۵:

قد میں چھوٹے لیکن پڑھائی میں سب سے اونچے تھے۔ امتحانات کے زمانے میں بڑے مصروف نظر آتے۔ ان کی موٹی موٹی سیاہ آنکھوں میں سرخ ڈورے پھیل جاتے اور جب امتحان کا نتیجہ نکلتا تو یہی سرخی ان کے چہرے پر منتقل ہو جاتی تھی۔ ڈرل اور پی ٹی میں بھی کم نہیں تھے۔ پاسنگ آؤٹ پریڈ کی ریہرسل میں صف اول میں کھڑے ہوئے کئی لوگوں کے غصے کا نشانہ بنے، لیکن اپنی جگہ نہیں چھوڑی۔ پی ٹی میں شروع سے میرے ساتھ تھے مگر چند مہینے بعد ان کیڈٹوں سے جا ملے جو عموماً پی ٹی کے تمام پرچے پاس کر لیا کرتے تھے۔ باکسنگ کے رنگ میں لہولہان ہوئے اور اپنے کھیل سے ریفری کو مجبور کر دیا کہ وہ ان کی جیت کا اعلان کر دے۔ پلاٹون میں کم گو ہونے کے باوجود تنہائی میں اپنے آپ سے بہت باتیں کرتے تھے یا ان کیڈٹوں کے ساتھ مصروف گفتگو نظر آتے جو ادھر ادھر سے ملنے آیا کرتے تھے۔

کیڈٹ نمبر ۶:

سیدھے سادے کیڈٹ تھے لیکن ڈرل کرتے وقت ہاتھ بقول سٹاف کے پیچھے ”سیدھا“ نہیں آتا تھا۔ چہرے پر باریک مونچھیں تھیں اس لئے جب انگریزی بولتے تو دوسروں کی نسبت زیادہ رعب دار نظر آتے۔ چہرے پر مسکراہٹ اکثر کھیلتی تھی۔ دو

تین دفعہ بیمار ہوئے اور ہم نے اسی بہانے پی ایم اے کا ہسپتال دیکھا۔ دن دہاڑے ٹانگیں پھیلائے بستر پر لیٹے ہوئے تھے۔ بڑا رشک آیا اس کے سوا اور کیا کر سکتے تھے۔ کیونکہ اپنا سارا جسم تو ایسا سخت واقع ہوا تھا کہ بخار تو درکنار کبھی نزلہ زکان نے بھی خدمت کا موقع نہیں دیا۔ میرے پڑوس میں رہتے تھے لہٰذا ان سے خوب گپ چلتی۔ ان کے دوستوں کا حلق بہت وسیع تھا۔ بہت بے تکلف دوست تھے۔ خود صاف ستھرے رہتے تھے اور دوسروں کے صرف اچھے امور میں دخل اندازی کرتے تھے۔

کیڈٹ نمبر ۷:

آغاز میں اپنے سابقہ ملٹری نالج سے رعب ڈالا تاہم بعد میں ہمارے ساتھ گڈمڈ ہو گئے۔ آپ کالج کے زمانے میں ''فوجی تربیت'' کے چار پانچ پیریڈ پڑھ چکے تھے۔ یہ بہت کام آئے۔ ٹریننگ کے اوقات کے بعد ان کی زندہ دلی دوستوں کا دل موہ لیتی۔ انہیں مل کر اندرون لاہور یاد آ جاتی۔ کبھی کبھی لاہور کے جیل روڈ اور کوئنز روڈ کی یاد بھی دلا دیا کرتے تھے۔ پی ٹی ڈرل میں ہر لحاظ سے مکمل تھے۔ روٹ مارچ میں میرے نزدیک رہے۔ اچھے کھانوں کے شیدائی تھے۔ کیفے ٹیریا کے کباب اور فروٹ شاپ کا گرما ہضم کر جاتے ان کے لاہوری دوستوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ ہر اتوار (اجازت ملنے کے بعد) ایبٹ آباد جاتے تھے اور اکثر ان کے مہمانوں کی دیکھ بھال دوسرے کیڈٹوں کا اخلاقی فرض بن جاتا۔ اچھے باکسر تھے۔ اچھا ہوا میرے سامنے نہیں

آئے۔ باکسنگ میں اپنے ایک رشتہ دار کیڈٹ سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ خاصا نازک مرحلہ تھا، تاہم دونوں خوب لڑے لہو بہہ نکلا جیت ان کی ہوئی ان کی پاداش میں بعد ازاں ایک اور مقابلے میں شرکت کرنا پڑی۔

کیڈٹ نمبر ۸:

طبعاً تیز نہیں تھے لیکن تیز نظر آتے تھے جسم بھاری تھا اور پھر پتلے پن کا کا مظاہرہ کرتے۔ بے ضرر قسم کے خیالات اور حرکات کے مالک تھے۔ ان کا شمار اچھے کیڈٹوں میں ہوتا۔ یہ شمار شروع سے تھا اور پاسنگ آؤٹ کے دن تک جاری رہا۔ دو تین بڑی بڑی سزاؤں کے علاوہ کبھی کوئی سزا نہیں ملی جبکہ باقی اکثر نائٹ کلب جایا کرتے تھے۔ میس ٹیبل یا چھری کانٹوں کا ماہرانہ استعمال کرتے۔ سبزیوں کی جڑیں کھانے کے شوقین تھے ان میں گاجر مولی وغیرہ ہمیشہ سرفہرست رہیں حلقہ یاراں کی وسعت کے قائل نہیں تھے۔ ان کا شمار بھی اچھے باکسروں میں کیا جا سکتا ہے۔ اپنے کمرے میں اپنی تصویر ہمیشہ نمایاں جگہ پر رکھتے اس طرح ہر مہمان پہلے ان کی تصویر سے ملاقات کرتا تھا۔

کیڈٹ نمبر ۹:

ابھرتے ہوئے قد کی وجہ سے پلاٹون آور شخصیت تھے۔ اپنا مدعا تیز تیز بیان کرتے اور دوسرے کو بھی بات مکمل کرنے کی اجازت دے دیا کرتے تھے۔ ایکسر

سائز میں ان کی بھاگ دوڑ مشہور تھی۔ پٹرولنگ میں دشمن دور سے انہیں پہچان لیتا۔ پی ایم اے کی عطا کردہ ڈانگری بالکل فٹ تھی لیکن گرم پتلون پاجامہ بن گئی۔ اتوار کو ان کے خاصے مہمان آیا کرتے تھے۔ ایکسر سائز میں دو تین مرتبہ پکنک مناتے ہوئے پکڑے گئے ہم سب کیڈٹ بہت فکر مند تھے لیکن وہ اپنی حاضر جوابی کی وجہ سے جلد ہی بخیریت واپس آ گئے۔ مورچہ کھودتے وقت پسینہ پسینہ ہو جاتے تاہم لنچ اور ڈنر میں اپنی توانائی کو دوبارہ بحال کر لیتے تھے جونیئرز پر زوردار شاؤٹنگ Shouting ان کا مشغلہ تھا۔ اس مشغلہ کا اختتام کیفے ٹیریا میں ہوتا جہاں خوش قسمت جونیئر کے کپکپاتے ہونٹ اورنج جوس گلاس کو چھو رہے ہوتے پی ٹی میں بہترین جسمانی کرتب کا مظاہرہ کرتے اور ڈرل میں چلتے چلتے جھولتے تھے۔

کیڈٹ نمبر ۱۰:

چہرے کا رنگ پلاٹون میں سب سے زیادہ سرخ تھا۔ کبھی کبھی غصے یا خوشی کی سرخی اس میں شامل ہو کر سماں قابل دید بنا دیتی۔ پی ٹی اور ڈرل میں عام طور سے کامیاب تھے۔ برف باری میں کیموفلاج کرنا ان کیلئے دشوار نہیں تھا۔ کیونکہ برف کی خاص مقدار ان کے چہرے سر اور مونچھوں پر ایسی جم جاتی کہ پھر اترنے کا نام نہ لیتی۔ موسم گرما سے معمولی گھبراہٹ ہوتی لیکن اس سے قبل کہ غیر معمولی بن جائے عموماً بارش ہو جایا کرتی تھی ان کا خیال تھا کہ کمیشن کے بعد شادی میں آسانی ہو جائے گی۔ میں نے کبھی

کھل کر ان سے اس نازک موضوع پر تبادلہ خیال نہیں کیا۔ اس کی ایک وجہ چہرے کی سرخی تھی پاسنگ آؤٹ کے چند ماہ بعد ہی آرٹلری سکول نوشہرہ میں ملاقات ہوئی بہت کم باتیں کر سکے شاید وہ Alpha حاصل کرنے پر تل گئے تھے۔

کیڈٹ نمبر ۱۱:

یہ انتہائی شریف الطبع، عبادت گزار اور پر امن قسم کے کیڈٹ تھے اس کے باوجود کبھی کبھار اپنی باتوں اور حرکات سے پلاٹون کیلئے ہنسنے ہنسانے کے مواقع پیدا کر دیتے تھے تاہم اس میں ان کی شعوری کوششوں کو قطعاً دخل نہیں تھا بلکہ فطرتاً اپنے آپ سے مجبور تھے۔ مچھر دانی کے شیدائی تھے۔ سردی گرمی اور برسات میں مچھر دانی ہر وقت بستر پر تنی رہتی تھی۔ میس کے مینو میں انہیں گوشت والا سالن پسند تھا اور اس سالن میں بھی صرف گوشت، رسہ بہت تیزی سے کرتے تھے۔ اپنے گھر لمبے لمبے خط لکھ کر پڑھنے والوں کو ملٹری ٹریننگ سے ڈرانے کی عادت تھی۔ ایکسرسائز میں بڑبڑایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ مورچہ کھودنے کے ساتھ ساتھ بولتے بھی جارہے تھے۔ میں سمجھا کہ وظیفہ قسم کی چیز ہوگی یا "جل تو جلال تو" کا ورد۔ جب قریب پہنچے کان لگائے تو وہاں گیت کچھ اور ہی نوعیت کے ادا ہو رہے تھے۔ سانپ مارنے میں ان کا جواب نہیں تھا۔ پتھر صحیح نشانے پر پھینکتے۔ رائفل کی گولی پر کنٹرول کمزور تھا اسی لئے چاند ماری کی ہر مشق کے بعد مجھ ایسے کئی کیڈٹوں کے ساتھ فرنٹ رول اور فراگ جمپ پر گزارا کرتے تھے۔

بات سانپ کو مارنے کی ہو رہی تھی ایک مرتبہ میرے ہم مورچہ تھے۔ ایکسرسائز کا کول سے دور ایک پہاڑی علاقے میں ہو رہی تھی رات کا پچھلا پہر تھا میں کمر سیدھی کرنے کیلئے زمین پر لیٹا ہی تھا کہ بیلچہ زمین پر پھینکنے کی آواز آئی میں اٹھ بیٹھا۔ کیوں بھئی تھک گئے ہو لاؤ میں کھود دیتا ہوں لیکن انہوں نے مورچہ کی مٹی باہر پھینکتے ہوئے جواب دیا سو جاؤ میں نے سانپ مارا ہے تمہاری طرف آ رہا تھا۔ ان کا جواب سنتے ہی اپنی زندگی کی بلند ترین چھلانگ ماری۔ اوسان بحال ہوئے تو ٹارچ کی روشنی میں مرا ہوا سانپ دیکھا۔ بھائی! اگر یہ مادہ ہے تو نر اس کی تلاش میں آئے گا اور اگر نر ہے تو مادہ بے حال ہوگی۔ اس علاقے میں سانپ بہت تھے۔ اس لئے ہر کیڈٹ کو ان سے ہوشیار رہنے کی خاص تاکید کی گئی تھی۔ ایکسرسائز میں سانپ بہت دیکھے لیکن کسی کیڈٹ کو نقصان نہیں ہوا البتہ ہمارے دوست نے ایک سانپ مار کر اپنا پلہ بھاری رکھا۔

کیڈٹ نمبر ۱۲:

فوجی تربیت کے آغاز میں ان کا شمار عام کیڈٹوں کی صف میں ہوتا تھا۔ پنجابی لہجے میں بڑی سچائی اور روانی سے انگریزی بولتے۔ پی ٹی میں بھی اسی تیزی سے اپنے وجود کا احساس دلاتے۔ پہلی بڑی ایکسرسائز پر جانے کیلئے تیار ہو گئے۔ ایکسرسائز میں انہوں نے جس بلند حوصلے اور قوت برداشت کا مظاہرہ کیا وہ تمام کیڈٹوں کے دل پر انمٹ نقوش چھوڑ گیا ہم حیران تھے کہ وہ زخمی ٹانگ کے ساتھ کب تک ساتھ دیں گے؟

سب اندازے غلط نکلے یہ ہنستے مسکراتے دیگر کیڈٹوں کے دائیں بائیں ہی رہے اسی دوران سنتری ڈیوٹی پر بھی نظر آتے۔ ایکسرسائز سے واپسی پر چند روز کے بعد ایک میل دوڑ کا فائنل تھا۔ یہاں بھی وہ آگے آگئے تھے۔ دس نمبر لئے اور ساتھ ہی گھٹنا ہاتھ میں پکڑے ڈھیرے ہوگئے۔ ہسپتال پہنچایا گیا جہاں ان کی ٹانگ پر پلستر چڑھا دیا گیا۔ اپنے حوصلے بلند ہمتی اور ایسی ہی دیگر خوبیوں کے باعث دوستوں کے بہت قریب تھے۔

کیڈٹ نمبر ۱۳:

نیم خوابیدہ آنکھیں نظر کی موٹی عینک لگائے جب یہ لانس کارپورل بنے تو بایاں ہاتھ جیب میں ڈال کر چلنا شروع کر دیا بعدازاں جب معلوم ہوا کہ عہدیدار بھی محاسبے سے نہیں بچ سکتے تو بغیر اطلاع اصلی حالت پر واپس آئے۔ پلاٹون کو ان کی باکسنگ کی بہت فکر تھی عینک لگا کر کھیلنا ناممکن تھا۔ آخرکار یہ حل ڈھونڈا گیا کہ ان کے مخالف تک یہ اطلاع پہنچا دی جائے کہ کالج کے زمانے میں باکسنگ کھیلنے سے نظر کمزور ہوئی ہے۔ لہٰذا اب بھی اگر کسی کے چہرے پر ناک کو نشانہ بنانا چاہیں تو مکہ منہ پر یا تھوڑی پر لگ ہی جاتا ہے۔ مخالف باکسر پر اس اطلاع کے اثرات کا اصل اندازہ رنگ میں ہوا جہاں ان کے مکوں سے فرار حاصل کرنا ناممکن تھا نتیجہ توقعات کے مطابق نکلا۔ کلاس اور محفل میں کم گو تھے بلکہ کچھ دوستوں کے خیال میں خاموش گو تھے۔

کیڈٹ نمبر ۱۴:

پلاٹون کے زندہ دل کیڈٹو میں شمار ہوتا تھا۔ اب معلوم نہیں یونٹ والوں نے ان کا نام کس کھاتے میں لکھا ہوا ہے محفل میں بانسری بجاتے اور غسل خانے میں گنگنایا کرتے تھے۔ ایکسٹرا ڈرل کوان سے خاص انس تھا۔ غصہ کے عالم میں ناک کی چوٹی پسینے میں شرابور ہو جاتی اور مسرت کے لمحات میں ان کی خوشی کا اندازہ وہی کرسکتا ہے جو پھاٹک بند ہونے سے چند لمحے پہلے ریلوے لائن عبور کرلے۔ کھانے پینے کے معاملے میں کنجوس نہیں تھے تاہم اتوار کو ایک مرتبہ ہی ناشتہ کرتے۔ پی ٹی میں انہیں بہت زور کھینچنا پڑتا تھا۔ پی ٹی یا ڈرل پیریڈ کے بعد کلاس میں جب کیڈٹوں کی اکثریت اونگھتی تو یہ آنکھیں جھپکائے بغیر نیند پوری کرلیتے تھے۔

کیڈٹ نمبر ۱۵:

اوور ایج (over age) ہونے میں چند گھنٹے باقی تھے کہ پھر سے کوہاٹ کی آئی ایس ایس بی پاس کر کے پی ایم اے پہنچ گئے۔ صرف وزن کے ہلکے تھے۔ پیٹ کی مضبوطی ضرب المثل تھے۔ اپنے سابقہ فوجی تجربہ کی وجہ سے یونیورسٹی کالجوں سے براہ راست اکیڈمی آنے والے کیڈٹوں کو آسانی سے مرعوب کر لیتے لیکن آہستہ آہستہ یہ گر دوسروں نے بھی سیکھ لیا ایکسرسائز میں اپنی مدد آپ کے ساتھ ساتھ خدمت خلق کے بھی قائل تھے۔

ہائے پاسنگ آؤٹ

"سیکنڈ پاکستان بٹالین حاضر ہے جناب"۔

صوبیدار میجر عجائب خان نے حسب معمول جوانوں کی سی پھرتی سے سلیوٹ کیا۔ پریڈ گھڑ سوار ایڈ جوٹنٹ کے حوالے کی اور خود لمبے لمبے قدم اٹھاتے ہوئے بٹالین کے بیچوں بیچ اپنی مقررہ جگہ پر چلے گئے میری کمپنی ڈائس کے بالکل سامنے کھڑی تھی۔ کمپنی کو اس پوزیشن میں کھڑا کرنے میں ہماری کسی بہادری کو دخل نہیں تھا بلکہ اصل

صورتحال یہ تھی کہ ہم ڈرل کے مقابلے میں اپنی تمام تر خوبیوں اور صلاحیتوں کو آزمانے کے باوجود دوسرے نمبر پر آئے۔ لہٰذا پاسنگ آؤٹ کے دن سب سے آگے بابر کمپنی تھی۔ نتیجے کے اعلان کے بعد "ٹیپو کے کیڈٹ مرجھا گئے، لیکن اگلے روز جب انہوں نے اپنے بائیں جانب اورنگزیب اور غزنوی کے کیڈٹوں کو سینہ پھلائے دیکھا تو صبرو شکر کے کلمات پڑھتے ہوئے دوبارہ کھل اٹھے۔ مجھے صرف سامنے کا منظر نظر آرہا تھا۔ دائیں بائیں دیکھنے کی کوشش کی تو آنکھ کی پتلیوں نے حرکت کرنے سے انکار کردیا۔ یہ سب کچھ تربیت کا کیا دھرا تھا۔ ڈائس کے قریب اکیڈمی کے کمانڈنٹ بریگیڈیئر عبداللہ سعید بٹالین کمانڈر لیفٹیننٹ کرنل عاشق حسین ملک اور دیگر اعلیٰ افسر مہمان خصوصی لیفٹیننٹ جنرل محمد شریف (کور کمانڈر) کا انتظار کر رہے تھے۔ دور بٹالین میس کی چھت پر ایستادہ بگل بجانے والوں نے مہمان خصوصی کی آمد کا اعلان کردیا۔ رائفل پر میری گرفت اور مضبوط ہوگئی۔ ایڈجوٹنٹ نے "ہوشیار" کرکے "سلام" کا کاشن دیا۔ دل ہی دل میں "یا اللہ خیر" پڑھ کر رائفل اٹھائی ٹھک .... ٹھک .... پریڈ گراؤنڈ میں تین آوازیں سنائی دیں۔ سارا گراؤنڈ تالیوں سے گونج اٹھا انہی تالیوں کے حصول کیلئے کیڈٹوں نے دن رات ڈرل میں محنت کی تھی اور آج یوم انعام تھا۔

وہ دن بھی کیسا سہانا تھا۔ جب ہم نے ڈرل سٹاف کی زبانی یہ خوشخبری سنی کہ کل صبح

سے پاسنگ آؤٹ کی ریہرسل شروع ہوگی۔ پاسنگ آؤٹ کا ذکر کیڈٹ کیلئے شربت فولاد اور معجون مرکب قسم کی چیز تھی۔ ہم نے اس رات کیفے ٹیریا میں گلاب جامن کی ایک ایکسٹرا پلیٹ کا آرڈر دے دیا کیڈٹوں کے ہجوم دوستاں میں پاسنگ آؤٹ کا نام ہر زبان پر تھا۔ ہم سوچنے لگے کہ اب کمیشن بس دو چار گز کی بات رہ گیا ہے۔ پاسنگ آؤٹ کی ریہرسل بہت بڑے اعزاز کی صورت میں پہلے روز گلاب جامن کی پلیٹ لگی لیکن دوسرے دن علی الصبح جب ایک موٹے تازے گھوڑے پر ایڈ جوٹنٹ کی سواری آئی تو سب کے ہوش ٹھکانے آ گئے سٹاف کی آواز پہلے سے کرخت ہوگئی کیڈٹ کا پاؤں خود بخود ''بیلٹ لیول'' سے اوپر اٹھنے لگا مجھ ایسے کئی اور ''ہونہار'' کیڈٹ جو دوسری یا تیسری قطار میں کھڑے ہو کر لیفٹنی کے خواب دیکھ رہے تھے۔ کاٹھی نشین کی نگاہ نازک کی تاب نہ لا سکے۔ پریڈ گراؤنڈ میں گھوڑا ایڈ جوٹنٹ کو ایک چلتا پھرتا سٹیج فراہم کر دیتا جہاں سے انہیں کیڈٹ کا زاویہ ماپنے میں آسانی تھی۔ کیڈٹ کی خواہش تھی کہ منہ زور قسم کا گھوڑا آئے تا کہ سواری کی کمر اور نگاہ کو حرکت نصیب ہو۔ کئی مرتبہ گراؤنڈ میں لاہور کے پرانے ہارس اینڈ کیٹل شو کی یاد تازہ ہوگئی۔ ایک گھوڑے نے جو ڈھول کے ڈگہ کی آواز سے شاید نا آشنا تھا۔ گراؤنڈ کے بیچوں بیچ اٹنگ اٹنگ ہے۔ محو رقص کا سماں پیش کر دیا۔ پریڈ چلتے چلتے رک گئی۔ بینڈ خاموش کر دیا گیا۔ سب نے دیکھا کہ گھوڑا کیڈٹ کی خواہشوں کے برعکس بڑی وفاداری سے دم ہلا رہا تھا۔ بہرحال

ایڈجوٹنٹ نے گھوڑے کو خیر باد کہا اور پیدل ہی پریڈ کی نگرانی شروع کردی۔ اس روز کیڈٹ کو احساس ہوا کہ پیدل ایڈجوٹنٹ گھرسوار سے زیادہ فرض شناس ہے۔ دراصل گھوڑا کیڈٹ کے لئے ڈرل میں لینڈ مارک (Land mark) تھا۔ ''دھیرے چل'' یا جلدی چل'' کے وقت ہم چوری آنکھ کے سبق کے عملی پہلوؤں کو آزماتے اس موقع پر سب سے بڑا کارنامہ گھوڑے پر نگاہ رکھنا تھا۔ جونہی گھوڑا نزدیک آتا ہم گراؤنڈ کی کھال ادھیڑنا شروع کر دیتے۔ تمام تر احتیاطی تدابیر کے باوجود کئی مرتبہ پیدل ایڈجوٹنٹ نے بے خبری میں آ لیا اور فوجی اصطلاح کے مطابق Surprise حاصل کرلی۔ ان کی کامیابی کے بعد کیڈٹ اور محتاط ہوگیا ورنہ پہلے چلتے چلتے ساتھ والے کیڈٹ کا flank cover لے کر جلدی سے وقت (Time) دیکھ لیا کرتے تھے۔ پریڈ میں وقت دیکھنا واقعی مہارت کا کام تھا لیکن پاسنگ آؤٹ پریڈ کی ریہرسل شروع ہونے تک جنگی داؤ پیچ Tactics کے متعدد سبق پڑھائے جا چکے تھے لہٰذا مقام اور حالات کا پورا پورا فائدہ اٹھا کر دستی گھڑی کو پتلون کی بائیں جیب سے نکال کر چوری آنکھ کا استعمال کرتے اور پھر یہ وقت ایک منٹ میں ساری پریڈ میں پھیل جاتا۔ اس کے بعد ہشاش بشاش چہرے پریڈ کے قریب المرگ ہونے کا ثبوت تھے۔ ایسے واقعات بے شمار ہیں جب ضرورت سے زیادہ ہوشیار کیڈٹ نے باقی کیڈٹوں کو مصیبت میں مبتلا کر دیا۔ یاد بخیر! ایک چہرے نے ڈرل میں اپنے بوٹ

کے مستقبل کا خیال رکھتے ہوئے پاؤں آرام سے اٹھا کر زمین سے لگا دیا۔ سٹاف سے ڈرل گراؤنڈ کی یہ توہین دیکھی نہ گئی۔ انہوں نے حسب تربیت زور سے آواز لگائی یہ کیا طریقہ ہے؟ کیڈٹ ابھی تک ٹائم کے چکر میں کھویا ہوا تھا اس کے منہ سے فوراً نکلا۔ نو بج کر پچیس منٹ ہوئے ہیں۔ سٹاف کب چوکنے والے تھے۔ انہوں نے پلٹ کر جواب دیا" لیکن ابھی ڈرل ختم ہونے میں دو گھنٹے پینتیس منٹ باقی ہیں۔ آپ دھیان سے کام کریں۔ ارد گرد کھڑے ہوئے کیڈٹوں کے ذہنوں میں سوال جواب اٹھنے لگے، لیکن مزید بحث سے ٹائم کی سکیورٹی آؤٹ ہونے کا خطرہ تھا۔ لہٰذا سب خاموش رہے۔ البتہ جب کیڈٹ کے بتائے ہوئے وقت میں سٹاف کے گھنٹے اور منٹ شامل کئے تو اصل وقت معلوم ہو گیا۔

ڈرل گراؤنڈ میں ہمارا قیام نت نئے تجربات و حادثات کو جنم دیتا وہاں یہ تباہ کن حقیقت بھی عیاں ہوئی کہ مچھر مکھی وغیرہ ملیریا اور گندگی پھیلانے کے ساتھ ساتھ افراتفری بدحواسی اور بے چارگی کے جراثیم بھی پھیلاتے ہیں۔ کیڈٹ روزانہ بھینی بھینی خوشبو والے صابن سے ہاتھ منہ دھو کر آتے، لیکن مکھی مچھر پیچھا نہیں چھوڑتے تھے۔ اب ہم اپنے چہرے اور جسم کے دیگر مستقل عریاں حصوں پر فنس کا چھڑکاؤ کرنے سے تو رہے۔ مکھی اور مچھر کی جملہ سازشوں کے باوجود کیڈٹ پاسنگ آؤٹ کی ریہرسل میں روزانہ شرکت کرتا رہا۔ پہلے ایک آدھ ریہرسل میں کوفت ہوئی لیکن اس

کے بعد چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی کیڈٹ کے نشے کو فروغ دینے میں ایڈجوٹنٹ کی روایتی سختی اور معمولی نرمی کے ساتھ ساتھ پی ایم اے بینڈ کا ہاتھ بھی تھا وہ کیڈٹ کو ڈرل کرنے پر اکساتا تھا۔

پاسنگ آؤٹ پریڈ کی تیاری کے نام پر ایک عرصہ تک صرف دو تین پریڈ زائد بھی استعمال کیے گئے لیکن آہستہ آہستہ شام کے گلے میں بھی ڈرل کا طوق پڑ گیا۔ اب کاکول سے ایبٹ آباد کی روشنیوں کا بس دیدار ہو سکتا تھا۔ ان روشنیوں کے ارد گرد منڈلانے والے چہروں کو دیکھنے کی راہ میں پاسنگ آؤٹ حائل تھی۔ کیڈٹ نے پاسنگ آؤٹ کو ترجیح دی کیونکہ یہ اس کی ساری محنت کا حاصل مرکب تھا۔

وقت بڑی تیزی سے گزر گیا فائنل امتحانات ختم ہو گئے نتائج نے ذہنوں سے سب سے بڑا بوجھ اتار دیا۔ پلاٹون کمانڈر ستانے لگے کلاس روم میں بھی ایک آدھ لطیفہ سنائی دیتا۔ اب زیادہ تر بحث آرٹلری، انفنٹری اور آرمرڈ کور اور فوج کے دیگر شعبوں کے بارے میں ہوتی۔ ایک دوسرے کی پسند اور ناپسند پر فقرے چست ہوتے۔ بات بڑھتے بڑھتے یونٹوں کے ماضی حال اور مستقبل تک آ پہنچی۔ یہ باتیں سن کر ہمیں یوں لگا جیسے منزل بس چند قدم کی بات ہو۔ ادھر ڈرل گراؤنڈ میں ایڈجوٹنٹ کا اصرار تھا کہ پاسنگ آؤٹ کے بغیر ایں خیال است و محال است و جنوں۔ کیڈٹ بے چارا حیران و پریشان تھا کہ کس کی بات کا اعتبار کرے اور کس کو رد کرے بہر حال اب اعتبار اور بے

اعتباری بھی اس کے بس کی بات نہ تھی کیونکہ سارا دن ایڑی لگانے کے بعد اسے کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔

پاسنگ آؤٹ سے پہلے دھیرے چلو (slow march) کی خوب پریکٹس کرائی گئی۔ قطاروں کی بندش درستگی چلنا چلتے چلتے رک جانا اور یکا یک مڑ جانا بظاہر آسان تھا لیکن ایک گروہ یا مجمع کو ان سراسر غیر یقینی حالات میں ماہر بنانا خاص دشوار تھا۔ ایڈ جوٹنٹ کو اپنی ڈیوٹی سرانجام دینے کیلئے ہر حربہ استعمال کرنا پڑا۔ نصیحت، حکم، مشورہ، رائے، تجویز اور کیڈٹ سے اپنی چھڑی کا ملاپ ایسے انداز میں کرانا کہ دیکھنے اور سننے والے توبہ توبہ کر جائیں۔ یہ ملاپ عموماً ایک آدھ مرتبہ ہوتا، لیکن سارا دن اور اکثر شب بھر اس کی کسک برقرار رہتی۔ دائیں سیدھا کا حکم بھی آسان ہے۔ اس کی ادائیگی میں بہت کم وقت اور پھیپھڑوں کی تین چوتھائی ہوا صرف ہوتی ہے۔ اس حکم پر عمل آنکھوں کے اتار چڑھاؤ کو ساکن بناتا تھا۔ کسی کیڈٹ کے اعشاریہ انچ کا جھول یا مقررہ وقت میں عمل کی گڑبڑ کے اثرات کئی معصوم صفت کیڈٹوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے اور ڈائس سے آواز آتی ”رائٹ سے نمبر 2 فال آؤٹ“ فال آؤٹ صاحب فال آؤٹ۔ آج معلوم ہوا کہ اصل گڑبڑ کون کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی صوبیدار میجر یا متعلقہ سٹاف اس کیڈٹ کی طرف یوں لپکتے جیسے وہ اس کو دو چار فرنٹ رول دے کر اپنے تاریخی فرض سے ہمیشہ کیلئے سبکدوش ہو جائیں گے۔ کئی دفعہ کیڈٹ کی بجائے

سٹاف زد میں آجاتے جس کمپنی یا پلاٹون کا سٹاف صوبیدار میجر کے سامنے اٹن شن نظر آتا اس کے کیڈٹ اپنی جان کی خیر کیلئے منت مانا کرتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ صوبیدار میجر اور سٹاف کے ان مذاکرات میں انہی کی فلاح و بہبود زیر بحث ہے۔

پاسنگ آؤٹ کی ریہرسل میں کیڈٹ کا سارا جسم برسر پیکار تھا۔ دایاں پاؤں جس میں ہم رائفل اٹھا کر چلا کرتے تھے درد دوڑنے لگتا۔ درد خواہ دانت کا ہو یا ہاتھ کا اپنی تباہ کاریاں ہر جگہ پھیلاتا ہے۔ رائفل کو ہاتھ سے گرانا جسم سے روح کے نکلنے سے قبل ناممکن تھا، البتہ دن میں ایک دو کیڈٹ ضروری دھڑام ہو جاتے۔ پریڈ میں کیڈٹ کا گرنا عزت و مرتبہ کا وسیلہ نہیں تھا بلکہ کیڈٹ کے ساتھ ساتھ اس کی کمپنی بھی گفتگو کا موضوع بن جاتی۔

"بھئی اسے مالٹے کا جوس پلاؤ"۔

"کیلشیم کی کمی ہے"۔

"رات کو شاید پوری نیند نہیں آتی"۔

خدا بچائے ایسی تیمارداری سے۔ کیڈٹ کو بیمار پڑنے سے قطعاً نفرت نہیں تھی۔ مگر ڈرل گراؤنڈ میں چکر آنا اور جی متلانا قسم کی بیماریاں ہر لحاظ سے نقصان دہ تھیں۔ تجربہ کار کیڈٹ ان بیماریوں کو غیر مردانہ قرار دیتے۔ انہیں یقین تھا کہ پریڈ میں فوجی آدمی کو چکر آ ہی نہیں سکتا۔ جی متلانا تو دور کی بات ہے۔ غرور کا سر نیچا۔ اسی سوچ کے حامی

ایک کیڈٹ با آواز بلند دھڑام ہوئے تو ہم سب نے دانتوں میں ہونٹ دبا لئے۔ کچھ ہنسی روک رہے تھے اور بعض صرف اس لئے ہونٹ کاٹ رہے تھے تاکہ وہ اپنے آپ کا حال دریافت کرلیں کہ ابھی کتنی دیر اور گزارہ ہوسکتا ہے۔ بعدازاں پریڈ کے بعد دھڑام ہونے والے کیڈٹ سے جب ماجرا دریافت کیا تو انہوں نے یہ تسلیم کرنے سے انکار کردیا کہ وہ چکر یا جی متلانے سے گرے تھے۔

دراصل ظالم پیٹ نے گڑگڑانا شروع کردیا تھا۔ اس کے سامنے میں مجبور تھا۔ ان کا چہرہ جواب کی تائید کررہا تھا۔

پیٹ کو ظلم پر آمادہ کرنے میں کیڈٹ کا بھی ہاتھ تھا پی ایم اے کیفے ٹیریا اور فروٹ شاق کی طرح کئی کباب فروش اور گوشت کا حلیہ بگاڑنے والے دیگر عناصر صرف کیڈٹوں کی شاہ خرچی کے محتاج تھے۔ ان ہی دکانوں کے کباب تکتے اور بوٹیاں جو عموماً سٹریچر پر لاد کر لائی ہوئی گائے بھینسوں سے بنائے جاتے تھے کیڈٹ کو پریڈ میں تنگ کرتے۔ کیڈٹ کو پاسنگ آؤٹ یقیناً کباب اور تکے سے زیادہ عزیز تھی لہذا ایسے کیڈٹوں نے جن کے معدوں کی گوشت سے لڑائی رہتی تھی اس شاہ خرچی سے تا اطلاع ثانی توبہ کرلی۔

پاسنگ آؤٹ پریڈ جب شام کو بھی ہونے لگی تو فروٹ شاپ کا کاروبار خوب چمک اٹھا۔ برسات کے پسینے میں شرابور کیڈٹ رائفلیں جمع کرا کے جب اپنی رہائش گاہ کی

طرف لپٹتے تو کیفے ٹیریا اور فروٹ شاپ میں تل رکھنے کو جگہ نہ ملتی۔ نام نہاد مینگو سکوائش اور اورنج جوس کے گلاس طشتریوں میں پہلے سے تیار ملتے اور جو خود بڑھ کر اٹھاتے ہاتھ میں مینا اس کا ہے۔ یہ کیفیت ہر جگہ نظر آتی کچھ من چلے دونوں ہاتھ بڑھا دیتے۔ سکوائش اور جوس کے گلاس انڈیل کر کیڈٹ اپنے کمروں کا رخ کرتے۔ جہاں اگلے روز کا ٹائم ٹیبل ان کا منتظر ہوتا تھا۔

ڈرل گراؤنڈ اور پاسنگ آؤٹ پریڈ سے وابستہ ایک اور نا قابل فراموش دن بٹالین کی مختلف کمپنیوں کے درمیان مقابلہ کا دن تھا۔ اس دن کے بارے میں سٹاف سے بہت کچھ سن رکھا تھا۔ جب یہ دن آیا تو کیڈٹ سمجھے بہار آ گئی۔ ڈرل سٹاف نے دو تین روز پہلے ہی اپنا رویہ تبدیل کر لیا۔ اب ''آسان باش'' حالت میں کیڈٹ کے انداز ڈرل پر بحث یا کمپنی کے نمونوں کی نمائش کے بجائے عزت غیرت اور ہمت ایسے بلند پایہ موضوعات گفتگو کا عنوان بن گئے۔ ہم پریشان پہلے ہی تھے اب حیران بھی رہنے لگے ایسے حادثات بھی ہوئے کہ پلاٹون کی ڈرل میں کسی کیڈٹ کو چھینک آئی تو سٹاف نے اسے فوراً آرام دہ جگہ پر کھڑا کر دیا۔ صاب! آپ آرام کریں پرسوں ڈرل کمپٹیشن (Drill competition) ہے۔ کسی نے اور زیادہ منہ بنایا تو مکمل آرام کے لئے چھٹی مل گئی۔ لباس کی تیاری سٹاف نے براہ راست اپنے کنٹرول میں لے لی۔ خاص وردیاں ایبٹ آباد کے مخصوص ٹیلر سے سلوائی گئیں بوٹ کا ناپ شومیکر

(Shoe maker) کے پاس پہلے سے موجود تھا۔ وہاں سے ایک اور جوڑا خریدا یہ سب دکاندار ''تو نقد نہ تیرہ ادھار'' پر عمل پیرا تھے۔ کئی کیڈٹوں نے پہلے پیسے دینے کی کوشش کی تو جواب ملا صاحب! کیا پیسہ آپ سے اچھی چیز ہے؟ آج نہیں تو کل آ جائے گا۔ آپ اپنے پاس رکھیں۔ شاید کبھی ضرورت پڑ جائے اگلی تنخواہ پر ادا کریں اور ہم دس دس کے چند گنے چنے نوٹ دوبارہ جیب میں ڈال کر واپس کمرہ میں آ گئے۔ وردیاں سلوار کر دھلوائی گئیں۔ بوٹوں پر پالش ہوئی تو نا معلوم کتنی قیمتی ڈبیاں لگ گئیں۔ اس روز ہر کوئی چمک رہا تھا کنگھی کرنے کیلئے شیشہ دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ پاؤں میں پڑا بوٹ شیشہ بنا ہوا تھا شروع میں کیڈٹ سمجھتے تھے کہ ناز برداری کا معاملہ صرف وردی کی سلائی دھلائی اور بوٹ کی چمک دمک تک ہی محدود رہے گا اس کے بعد پھر اپنی پرانی ڈگر پر گامزن ہو جائیں گے۔ یہ اندازہ غلط نکلا۔ ڈرل گراؤنڈ میں جانے سے قبل لباس کو زیب تن کرنا بھی کیڈٹ کے کنٹرول سے باہر تھا۔ کمرہ سے پی ٹی نیکر اور بنیان میں نہا دھو کر برآمد ہوئے آگے آگے کیڈٹ کال باس جا رہا تھا ڈرل سٹاف پہلے سے ہماری پذیرائی کیلئے موجود تھے۔ آج ان کا انداز گفتگو بدلا ہوا تھا وہ بار بار اردلی کو ڈانٹ رہے تھے۔

''قمیض کے دونوں بٹن ایک جیسے کیوں نہیں ہیں''۔

''پتلون کی کریز کدھر جا رہی ہے''۔

ادھر آؤ! سوئی دھاگہ کہاں ہے یہ بٹن ڈھیلا ہے۔

کیڈٹ بارات کا دولہا تھا ایسا دولہا جو سہرا بندی سے ذرا پہلے آنے والے وقت کے بارے میں سوچ رہا ہو۔ دولہا کی نسبت محض غیر فوجی قارئین کیلئے لکھ دی ہے۔ ورنہ کیڈٹ کے دل کی حالت باکسنگ رنگ میں جانے والے باکسر کے دل کے مانند تھی۔ ڈرل گراؤنڈ کے نزدیک ہی تیاری عروج پر تھی مجھے اپنا بچپن بے اختیار یاد آگیا جب امی جی عید کے دن بیٹھک کے صوفہ پر کھڑا کر کے پتلون پہنایا کرتی تھیں۔ صوفے پر ہی پاؤں موزے میں چھپ جاتے اور نیا بوٹ میری آب و تاب میں چار چاند لگا دیتا۔ اس روز بھی کیڈٹ واقعی عید منا رہے تھے۔ ہر کوئی اونچی جگہ پر کھڑا پتلون میں دو لاتیں بڑے احتیاط سے داخل کر رہا ہے۔ مبادا کہ پتلون پر لگا ہوا کلف ریزہ ریزہ نہ ہو جائے۔ قمیض جسم کے گرد لپٹ چکی تو یوں لگا جیسے کسی نے فولادی لباس میں اتار دیا ہے۔ سانس لینے کیلئے چہرہ عریاں تھا لیکن وردی کے باعث پھیپھڑوں کے قدرتی اتار چڑھاؤ کے لئے جگہ نہیں تھی۔ سٹاف سٹاف بڑی مشکل سے اپنے ہمدرد کو بلایا اور اپنی تکلیف سے آگاہ کیا صاحب! آپ نے گراؤنڈ میں پریڈ کرنا ہے تقریر نہیں۔ ان کا دو ٹوک جواب سابقہ سلوک پر پانی پھیر گیا بوٹ پٹی اور وردی میں جکڑنے کے بعد کیڈٹ کے ہاتھ میں رائفل تھما دی گئی۔ ''چل بچہ.........کی تھپکی ملی اور ہم لنگڑاتے ہوئے کیفے ٹیریا روڈ کی جانب چل دیئے جو ہمارا اسمبلی ایریا تھی۔ پاؤں میں لنگڑاہٹ

پتلون کی کریز کو بچانے کیلئے اختیار کی گئی تھی۔ "ٹیپو"، "بابر" "اورنگ زیب" اور "غزنوی" چاروں میدان میں آ گئیں۔ مقابلہ شروع ہوا اور اس شان سے کہ دیکھنے والے دنگ رہ گئے۔ انجام آغاز کی نسبت زیادہ سنسنی خیز تھا۔ نتائج کا اعلان ہوا میری کمپنی دوسرے نمبر پر تھی۔ اول پوزیشن حاصل نہ کرنے کا م اور تیسری پوزیشن سے بچنے کی خوشی سب پر سوار تھی۔ لہٰذا ردعمل ملا جلا تھا اور ہم کمروں میں بیٹھ کر پاؤں کے چھالے ناخنوں کے ریگ مال سے برابر کرنے لگے۔ یہ چھالے نئے بوٹوں کا تحفہ تھے۔

پاسنگ آؤٹ میں گنے چنے دن باقی رہ گئے اب رات کو پارٹیاں اور دعوتیں معمولی بن گئیں۔ ایک دن یونٹیں بھی الاٹ ہو گئیں میں توپ خانہ کی ایک مشہور یونٹ میں جا رہا تھا۔ اگلے روز ایک جوڑی پھول۔ ایک آفیسر سٹک اور آرٹلری کی ٹائی تحفہ میں ملی۔ یہ پی ایم اے میں رہنے والے آرٹلری کے کمشنڈ آفیسرز کی جانب سے خیر سگالی کا اظہار تھا۔ اس روز ہم بہت خوش تھے میں رات گئے واپس کمرہ میں پہنچا تو میری پلاٹون رنگ برنگی تھی کوئی فرنٹیئر فورس کی ڈوری اٹھائے پھر رہا ہے کسی کے ہاتھ میں پنجاب رجمنٹ کی ٹوپی ہے۔ ایک طرف توپ خانہ میں جانے والے سر جوڑے بیٹھے ہیں ادھر سگنل والا بار بار اپنی ٹانگوں پر سٹک مار رہا ہے۔ بلوچ رجمنٹ سے وابستہ ہونے والا کیڈٹ اپنی ٹوپی کے بیج کی ہیئت پر غور کر رہا ہے۔ سب خوش تھے دوسری

طرف ہماری ڈرل بھی پرانے ریکارڈ توڑ رہی تھی۔ تابڑ توڑ ریہرسل کے مفید نتائج نکلنے لگے اب ہم روزانہ پاس آؤٹ ہوتے۔ انہی ایام میں پلاٹون نے اپنے پلاٹون کمانڈر کی دعوت دی۔ انہوں نے مثبت جواب دیا یہ دونوں پارٹیاں یادگار رہیں گی ہم میں سے شاید چند نے پہلی مرتبہ پلاٹون کمانڈر کے سامنے سگریٹ سلگایا۔ جب بھر کر کھانا کھایا سویٹ ڈش کا ڈونگہ خالی واپس گیا اپنے بارے میں ان کے اصل تاثرات سنے انہیں اپنی سوچ سے آگاہ کیا۔ اونچے قہقہے لگے طویل مسکراہٹیں مسرت وخوشی کے ان لمحات کو یادگار بنا گئیں۔

"دیکھو! یہ یاد رکھو"۔

"بات سنو! یہ بہت ضروری ہے"۔

لیکن اپنے ابتدائی کورس میں محنت ضرور کرنا۔

ہم حیران تھے کہ پی ایم اے کے بعد کیسی پڑھائی۔ کون سے کورس؟ یہ بات اس وقت معلوم ہوئی جب طویل محنت کے بعد ہر طرف خوشی رقص کر رہی تھی۔ لہٰذا ہم میں سے کسی نے خاص دھیان نہیں دیا۔ پاسنگ آؤٹ سے دو روز پہلے کمانڈنٹ کی ریہرسل ہوئی۔ پی ایم اے کے تمام افسر موجود تھے۔ سٹاف کا کہنا تھا کہ یہی اصل پاسنگ آؤٹ ہے بد قسمتی سے اس روز ڈرل اچھی نہ رہی کیڈٹ پریشان ایڈجوٹنٹ ناراض ہر طرف منہ لٹکے ہوئے نظر آرہے تھے ادھر پاسنگ آؤٹ کے مہمان آنا شروع

ہو گئے۔ ایبٹ آباد میں رونق اور بڑھ گئی۔ رنگین آنچل لہراتے آنچل اور سمٹے سمٹائے آنچل ہر طرف لہرا رہے تھے۔ ''مونا لیزا'' سے ماڈرن کیفے تک ''ہاؤس فل'' کے مناظر تھے۔ پاسنگ آؤٹ کا دن تو مقرر تھا ہم نے سب بھی منا ڈالی اور ہاں! دو تین روز سے ہمارا کورس رویتاً جونیئر ڈکلیئر کر دیا گیا تھا۔ میس میں اگئے تو ''ننھے'' کیڈٹوں نے وہ واویلا مچایا کہ اکیڈمی کے روزِ اول کے تجربات کو مات کر گئے۔

''فراگ جمپ'' اور بیرک کے چکر کا دور لوٹ آیا۔

''یوم ایم اے ٹاپ کم ہیئر'' (تم ایم اے ٹائپ ادھر آؤ۔)

ہانپتے ہوئے پہنچے۔ السلام علیکم سر کی ادائیگی سے اپنے جونیئر ہونے کا ثبوت فراہم کیا۔ ادھر ہمارے ''دو روزہ سینئر'' اپنی ٹائی کو بالوں کی لٹ بنائے کھیل رہے تھے قریب ہی نوخیز کیڈٹوں کی ایک اور ٹولی مسکراہٹوں کے تیر ارسال کر رہی تھی۔ ''نوخیز'' صاحب نے ''برسنا'' شروع کر دیا۔ وہی جملے جو ہم نے انہیں سکھائے تھے۔ جی میں آیا کہ ابھی دوبارہ سینئر بن کر ان کے مزاج کو درست کریں لیکن اکیڈمی کی روایت کو توڑنا ناممکن تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ سٹاف نظر آئے وہ مجھے ملنے آ رہے تھے۔ انہیں دیکھا تو نوخیز کیڈٹ نے اپنی راہ لی، شاباش! جاتے ہوئے مجھے انگریزی میں کہہ گئے ''جاؤ! تم بھی اپنا چہرہ لے کر گم ہو جائے۔ میں نے پوری قوت سے ''السلام علیکم سر'' کہا۔ میں اس کی ادائیگی میں ناقابل بیان فرحت محسوس کر رہا تھا۔ میں کل یہاں سے چلا جاؤں

گا‘‘۔ جدائی کے اس خیال نے مجھے اچانک پریشان کر دیا۔ دل بھر آیا۔ یہ خوبصورت اکیڈمی پی ایم اے روڈ نائٹ کلب پی ٹی گراؤنڈ سٹاف ڈرل گراؤنڈ فروٹ شاپ یہ سب ایک ایک کر کے میری نظروں کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ پلاٹون کے چہرے یاد آنے لگے ان چہروں میں دوستوں کی تلاش کرنے لگا۔ کوئی کشمیر جا رہا تھا کسی کو سندھ رپورٹ کرنا تھی۔ ایک کے حصے سیالکوٹ آیا۔ دوسرا پشاور کا رخ کرنے والا تھا۔ کل کے بعد ہم ایک دوسرے سے بچھڑ جائیں گے۔ شاید میں اٹن شن کھڑا یہ سب کچھ سوچ رہا تھا کہ سٹاف کی آواز نے چونکا دیا صاحب! مبارک ہو آپ کو بہت اچھی یونٹ ملی ہے۔ ان کے ساتھ ایک اور پی ٹی سٹاف بھی تھے صاحب میں آپ کی یونٹ سے ہوں۔ میں نے فوراً ہاتھ بڑھا دیا۔ یس! سٹاف کیسی ہے۔ میری یونٹ سی او کون ہیں میں نے ایک دم سوالات کی بوچھاڑ کر دی سٹاف بہت دیر تک یونٹ کی باتیں کرتے رہے میں بڑی دلچسپی سے یہ باتیں سن رہا تھا اس دوران کچھ کیڈٹ اور آگئے یونٹوں کی تاریخ کا تذکرہ چل نکلا جو بعد ازاں کمروں تک جاری رہا۔

نماز عصر پڑھ کر فیصلہ ہوا کہ بطور کیڈٹ ایبٹ آباد کی رونق کا آخری بار دیدار کر لیا جائے۔ آج بڑے عرصے کے بعد ایوننگ فری تھی ایکسٹرا ڈرل نہ رول کال کا خوف سپیشل کلاس اور نہ ہی سینئر کیڈٹ کی پریڈ۔ کنگھی کر کے رخ موڑا ہی تھا کہ کمرے کا دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی ’’یس پلیز‘‘ لیکن دروازہ نہیں کھلا بلکہ ٹھک ٹھک جاری

رہی میں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تو ناقابل یقین منظر تھا۔ والد صاحب نانا جی اور چھوٹے بھائی شمس کے ساتھ موجود تھے۔ بڑی مشکل سے تمہارا کمرہ ملا ہے الفاظ کی ادائیگی میں مخصوص غصہ تھا۔ بات آئی گئی ہوگئی۔ سچی بات ہے کہ مجھے ان کی آمد سے خوشی کم ہوئی فکر زیادہ میں نے کہیں رہائش کا بندوست نہیں کیا تھا۔ ایبٹ آباد کے تمام ہوٹلوں میں بکنگ ہو چکی تھی۔ یہ آپ کا سامان کہاں ہے۔ اس سوال کا جواب حوصلہ افزا اور میرے تمام ناگہانی مسائل کا حل تھا۔ شمس نے بتایا کہ ہم ابا جی کے ایک دوست کے ہاں ٹھہر گئے ہیں۔ یہ پی ایم اے کے باہر رہتے ہیں۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا پلاٹون کے دوسرے کیڈٹوں کے مہمان بھی آ رہے تھے۔ ہر طرف گہما گہمی تھی۔ اپنے مہمانوں کی وجہ سے میں دوستوں سے کٹ گیا۔ وہ سب ایبٹ آباد چلے گئے اور میں مہمانوں سمیت پی ایم اے کی سیر پر نکل کھڑا ہوا۔ ڈیڑھ دو گھنٹے کے بعد انہیں ان کے دوست کے ہاں چھوڑا اور خود واپس پی ایم اے کا رخ کیا سورج غروب ہو چکا تھا۔ ایبٹ آباد جگمگ کر رہا تھا آج پی ایم اے کی روشنیاں بھی بڑی بھلی لگ رہی تھیں۔

رات اودھم مچانے کا طے شدہ پروگرام تھا۔ لیکن کیڈٹوں کے مہمانوں کی یلغار کے باعث پروگرام ختم ہوگیا۔ مہمانوں کی ٹولیاں پی ایم اے میں یوں مٹرگشت کر رہی تھیں جیسے کسی مینا بازار کے ایوننگ شو میں خصوصی دعوت پر آئے ہوں۔ آہستہ آہستہ مہمان رخصت ہونے لگے تو ہمارے دل کو بھی قرار آیا اپنے اپنے کمروں کی جانب واپس جو

پلٹے تو ڈنر بھی بھول گئے دراصل احساس اعزاز نے بھوک مٹا دی تھی رہی سہی کسر جونیئروں نے پوری کر دی جو ٹولیوں کی صورت میں ہمیں رسمی مبارک باد دینے اور ہم سے حوصلہ افزائی کے رسمی جملے وصول کرنے آ رہے تھے۔ ہمارا سب کو یہی مشورہ تھا۔

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

"سر کیا ہم بھی پاس آؤٹ ہو جائیں گے"۔

"سر آپ جا رہے ہیں غلطی معاف کر دیجئے گا"۔

"دیکھو! گھبراؤ نہیں یہ وقت ہر کیڈٹ پر آتا ہے"۔

کمرہ سے رخصت ہوتے وقت ایک کیڈٹ نے ہائے پاسنگ آؤٹ کہا اور پاس آؤٹ ہونے والے کیڈٹ کو بیتے لمحے یاد آ گئے جب اس نے بھی اپنے سینئر کیڈٹ کو پاس آؤٹ ہوتے دیکھ کر "ہائے پاسنگ آؤٹ" کہا تھا۔ چلو بھئی جلدی کرو اب سونا چاہئے کل پاسنگ آؤٹ ہے۔ دیر ہو رہی ہے ایڈ جوٹنٹ نے کہا تھا کہ رات کو جلدی سو جانا تاکہ صبح اچھی پریڈ ہو سکے۔ کسی نے اچانک ایڈ جوٹنٹ کا حکم یاد دلایا تو سب اپنے اپنے کمروں میں بکھر گئے اور دیکھتے دیکھتے روشن بلب بھی "آف" ہو گئے۔ کیڈٹ کی نیند پی ایم اے کی مصدقہ ضرب المثل ہے۔ سولی پر نیند آتے سنا ہے دیکھا نہیں لیکن ایسا وہ حالت میں ہم خود سوئے ہیں۔ چلتے چلتے دوستوں کو خراٹے لیتے پایا ہے۔ پاسنگ آؤٹ کی شب یہ صورتحال نہ تھی۔ اب نیند کی حالت میں کیڈٹ پر بے ہوشی کی کیفیت

طاری نہیں تھی بلکہ وہ بقائمی ہوش وحواس سو رہا تھا رات بہت مختصر تھی یا شاید کیڈٹ ہی جلد بیدار ہو گیا۔ آنکھیں مل کر ادھر ادھر دیکھا تو باہر مینہ برس رہا تھا۔ موسلا دھار بارش آدھی رات سے شروع تھی بارش کیڈٹ کو دوران تربیت ہمیشہ عزیز رہی ہے لیکن پاسنگ آؤٹ کی صبح بارش دیکھ کر دل بجھ سا گیا پاسنگ آؤٹ کا کیا ہو گا۔ ہماری محنت ضائع گئی کیا ہال کمرہ سے پاس آؤٹ ہو نگے۔ کیڈٹ بارش کو دیکھ کر پریشان ضرور تھا تاہم یہ حقیقت بھی پیش نظر تھی کہ ڈرل گراؤنڈ پر اس بارش کا کوئی اثر نہیں ہو گا۔ کیونکہ وہ ہوائی اڈہ کے رن وے کی طرح پختہ ہے اور ہمیں اس کی پختگی کا اصل احساس گھٹنوں اور کہنیوں نے کرایا تھا جس پر اس کی پختگی کے نشان ثبت تھے کیڈٹ نے تیاری جاری رکھی ادھر بارش بھی اپنی حیثیت منوانے پر تلی ہوئی تھی مکمل بیداری کے بعد کیڈٹ کوچ کی جانب لپکے جہاں سے رائفلیں وصول کیں۔ بارش میں بھیگتے ہوئے اور جب واپس آئے تو بوٹ بھی شرابور تھے۔ رائفل کو بستر پر لٹا دیا۔ خود سامنے بیٹھ کر وردی سے زور آزمائی شروع کر دی اگر ادھر ادھر جانے کی ضرورت پیش آئی تو دوسرے کیڈٹ کو رائفل پر سنتری مقرر کر کے باہر نکلے۔ پاسنگ آؤٹ میں صرف دو گھنٹے باقی تھے لہٰذا کیڈٹ کسی قسم کا خطرہ مول لے کر "حاضر دماغی" کا ثبوت دینے کیلئے تیار نہیں تھا۔ اصل خطرہ تو بارش تھی جو بند ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ بارش کے نقصانات سے قطع نظر موسم توبہ شکن تھا۔ گھنے بادلوں کا بسیرا تھا۔ ٹھنڈی ہوا نے ان

لمحات کو مزید خوشگوار بنا دیا اور سب سے بڑھ کر پاسنگ آؤٹ دیکھنے والے چہرے ایک طویل عرصے کے بعد یہ چہرے دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ پاسنگ آؤٹ کی وردی کو پہننا شروع کیا کہ یکا یک اردلی کی نم ناک آنکھوں سے آنکھیں چار ہو گئیں۔ یہ ایبٹ آباد کے قریب ہی ایک گاؤں کا رہنے والا تھا۔ طبعاً نیک اور فطرتاً شریف۔ قریباً دس برس سے پی ایم اے میں ملازم تھا۔ ہم جلدی میں تھے سوچا پریڈ کے بعد دوبارہ ملاقات ہو جائے گی۔ اس وقت زندگی کی پہلی اور آخری خواہش پریڈ گراؤنڈ میں ''فال ان'' ہونا تھا۔ بوٹ پیٹی کس لی۔ وردی کی آخری بار چیکنگ ہوئی رائفل سنبھالی اور اللہ کا نام لے کر باہر آئے۔ بارش نے بوندا باندی کی شکل اختیار کر لی تھی۔ بادل بہت تیزی سے ادھر ادھر جا رہے تھے۔ لیکن سورج نکلنے کا امکان نہیں تھا۔ کمپنی لائن سے آگے بڑھے اور کیفے ٹیریا کے سامنے فال ان ہو گئے ابھی ''آرام باش'' کھڑے ایک دوسرے کی وردی سے دھاگے چن رہے تھے کہ کسی نے میرا کندھا جھنجھوڑا ''تم 23 فیلڈ رجمنٹ میں جا رہے ہو''۔ ایک کیڈٹ نے ہانپتے ہوئے انگریزی میں دو مرتبہ یہ جملہ دہرایا۔ ہاں میرا نام جاوید ہے۔ میں بھی جا رہا ہوں اور ہمارے ساتھ اورنگ زیب کا سعید بھی ہے۔ میں جاوید کے ساتھ سعید کو ملنے چلا گیا ابھی ہاتھ ہی ملایا تھا کہ بٹالین حوالدار میجر کی آواز سنائی دی صاحب اپنی اپنی جگہ کھڑے ہو جائیں چند کیڈٹوں نے چلنے میں رضا کارانہ طور پر سستی کا مظاہرہ کیا تو آواز ایک بار پھر گونجی ابھی

پاسنگ آؤٹ نہیں ہوئے پراپر مارچ (Proper march) دیکھنا چاہتا ہوں۔ گونج کے بعد سناٹا چھا گیا۔آپ ہمارے ساتھ جتنا عرصہ بھی رہے ہم نے اپنی طرف سے پوری محنت کی ہے۔آج ہم سب کا امتحان ہے۔امید ہے ہم میں سے کوئی شرمندہ نہیں ہوگا۔کیڈٹ نے دل سے ''آمین'' کہا اور نظریں صوبیدار میجر پر جما دیں جو ایسے ہی خیالات کا اظہار کر رہے تھے۔بارش دوبارہ شروع ہوگئی اور ہم برآمدے میں جا گھسے۔وردی بھیگ جانے کا خطرہ تھا۔ادھر پریڈ گراؤنڈ تا حد نظر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔لوگ ابھی آ رہے تھے۔پی ایم اے روڈ پر بھی دونوں جانب ہجوم تھا سب نے کیڈٹوں کو دور سے دیکھا تالیاں بجائیں ہم برآمدہ میں کھڑے پریڈ کے امکانات اور مہمانوں کے احساسات کا جائزہ لے رہے تھے کہ ایڈجوٹنٹ نظر آئے اور یہ اعلان کر کے واپس لوٹ گئے کہ پریڈ ہر حالت میں گراؤنڈ میں ہوگی ہمت قائم رکھو شاباش اس اعلان کے بعد کیڈٹ کھل اٹھے۔ہم بارش کے باوجود گراؤنڈ میں ڈرل کرنا چاہتے تھے۔پی ایم اے بینڈ یک مترنم دھن نے اس خیال کو حقیقت کا روپ دے دیا چند منٹ بعد بٹالین گراؤنڈ کی جانب بڑھ رہی تھی مجھے کمپنی حوالدار میجر اور پلاٹون سٹاف کے چہرے نظر آئے ''خدا حافظ ٹیپو کمپنی'' دو آوازیں بیک وقت سنائی دیں۔میں نے آہستہ سے خدا حافظ کہا اور کمپنی کے ساتھ گراؤنڈ میں داخل ہوگیا۔گراؤنڈ تالیوں سے گونج اٹھا مجھے کسی دوسرے کورس کی پاسنگ آؤٹ دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا لیکن اپنی

پاسنگ آؤٹ پریڈ میں یہ خیال بار بار آیا کہ مہمانوں کی بے پناہ خوشی کی وجہ کیا ہے؟ ہم تو معمول کے مطابق ڈرلکر رہے تھے۔ موسم رنگین سے رنگین تر ہو گیا۔ مسلسل بوندا باندی نے مزید سماں باندھ دیا۔

قرب ساقی کی وضاحت تو بڑی مشکل ہے
ایسے لمحے تھے جو تقدیر سے کم آتے ہیں

پاسنگ آؤٹ پریڈ کے دوران ڈرل گراؤنڈ میں جو لمحات بیتے وہ شاید ساری زندگی فراموش نہ ہو سکیں۔ رائفل کھلونا بنی ہوئی تھی۔ ڈرل کے ہر عمل کے بعد تالیوں کی آواز سنائی دیتی اور ہمارا حوصلہ بڑھ جاتا بارش اچانک تیز ہو گئی یہ منظر ہم نے پہلی مرتبہ دیکھا کہ بادل پی ایم اے کے درختوں سے ٹکراتے ہوئے گزر رہے ہوں۔ میری جیب میں کچھ (کرایہ واپسی) اور پروانہ راہداری تھا۔ بارش سے انہیں بچانا ناممکن نظر آ رہا تھا۔ چند سیکنڈ کیلئے توجہ پریڈ سے ہٹ کر جیب پر مرکوز ہو گئی اگر یہ سب کچھ بھیگ گیا تو......... لیکن فوراً ہی اس خیال کو جھٹک دیا۔ بھاڑ میں جائیں پیسے وغیرہ سب سے پہلے پاسنگ آؤٹ پریڈ تھی جہاں سوچنا بھی ناقابل تصور تھا۔ بارش ہوتی رہی اور ہم اپنی پوزیشن پر کھڑے تقریر سنتے رہے اس روز معلوم ہوا کہ محنت کے بعد اعزاز حاصل کرنے میں کس قدر لطف آتا ہے۔ "جلدی چل" (کوئیکل مارچ) شروع ہوا۔ بارش کے بعد بینڈ کی آواز مدھم ہو گئی۔ شاید بڑا ڈرم زیادہ ہی بھیگ گیا تھا اس

کے باوجود کیڈٹ نے پاؤں کی بندش سے یکساں آواز کا ترنم برقرار رکھا جہاں کہیں شگاف نظر آیا۔ "لیفٹ رائٹ، لیفٹ رائٹ" کی سرگوشیوں سے کام نکل گیا۔ بارش سے شامیانے بھیگ گئے۔ ہر طرف پانی ہی پانی تھا۔ ایک بھیگے ہوئے گروپ کے سامنے سے میری کمپنی گزر رہی تھی کہ تالیوں کی آواز میں سے ایک ننھے بچے کی پکار سنائی دی۔ ابو ابو بھائی جان وہ دیکھو بھائی جان پریڈ کر رہے ہیں۔ ہم ضبط کے باوجود مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔ ڈرل گراؤنڈ سے اسمبلی ایریا میں واپس پہنچے قومی پرچم کو سلامی دی۔ برخاست کی آواز کے ساتھ کیڈٹ ایک دوسرے سے لپٹ گئے مبارک مبارک مبارک خدا کا شکر ہے۔ یا اللہ تیرا شکر ہے۔ ہر طرف سے یہی جملے سنائی دے رہے تھے۔ رائفلیں جمع کروائیں اور بٹالین میس کا رخ کیا جہاں گروپ فوٹو کے بعد چائے کا انتظام تھا۔ بدقسمتی سے یہ دونوں فنکشن بارش کی نذر ہو گئے خصوصاً گروپ فوٹو کا نہ ہونا کیڈٹ کے لئے صدمہ عظیم سے کم نہیں تھا۔ واپس کمرے میں پہنچے مہمان بھی وہیں کا رخ کر رہے تھے۔ اس موقع پر خوشی اور مسرت ہر طرف رقصاں تھی میرے پلاٹون کمانڈر بھی رہائشی بلاک میں پہنچ گئے۔ وہ ہر کیڈٹ کے مہمان سے خود ملاقات کر رہے تھے۔ نصیحتیں آج بھی جاری تھیں ایک ڈیڑھ گھنٹے کے بعد کیڈٹ ایک دوسرے سے وداع ہو رہے تھے۔ "خدا حافظ" یونٹ پہنچ کر خط ضرور لکھنا انشاء اللہ تعالیٰ پھر ملیں گے۔ میں اپنے مہمانوں کے ساتھ کیڈٹ میس گیا لنچ کھایا اور ایبٹ آباد

کی راہ لی۔ ہماری ٹیکسی پی ایم اے گیٹ سے نکلی تو اکیڈمی پر الوداعی نگاہ ڈالی۔ فراگ جمپ سے نو میل ریس تک سارے کرتب فلم کی مانند نظر آنے لگے۔ اسی سوچ میں ایبٹ آباد آ گیا یہاں سے لاہور کی بس میں بیٹھے دس گھنٹے کے سفر کے بعد جب گھر میں داخل ہوا تو ساری تھکان دور ہو گئی گھر والوں کے استقبال سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اب میں واقعی ایک افسر بن چکا ہوں۔ پی ایم اے سے دس روز کی چھٹی ملی تھی ابھی بمشکل دو چھٹیاں گزری تھیں کہ میجر ثمر مہدی تشریف لے آئے یہ رشتہ داری کی بنا پر اصلی کزن تھے لیکن اب یونٹ کے توسط سے بیٹری کمانڈر بن گئے تھے۔ وہ خود ''ویک اینڈ'' پر آئے لیکن میری دس چھٹیاں اغوا کر کے لے گئے۔ انہوں نے ابا جان سے مذاکرات کئے اور اس کے بعد ہمیں یونٹ جانے کا حکم نامہ مل چکا تھا۔ چھٹیوں کی پامالی کا غم ضرور تھا لیکن غم کے ساتھ ساتھ یونٹ جلد پہنچنے کی خوشی بھی تھی سرشام سیالکوٹ پہنچے تو معلوم ہوا کہ رات کو آگے جانا ہے یہ آگے سے کیا مراد ہے؟ پہلے سمجھا کہ کسی سرحدی گاؤں کا نام ہوگا۔ بعد میں یہ حقیقت عیاں ہوئی کہ فوج میں آگے سے میدان جنگ مراد ہے۔ تاہم اس زمانے میں میدان جنگ فائر بندی کی لپیٹ میں آ چکا تھا اور مستقبل قریب میں اس کمبل سے چھٹکارا حاصل کرنے کا امکان نہیں تھا لہٰذا یہی سوچا کہ اب یونٹ جا کر چین کی بنسری بجائیں گے۔ سیلوٹ وغیرہ کے لین دین سے جو وقت بچا اس میں ''پیرا کورس'' کے لئے محنت کریں گے۔ پی ایم اے میں متعدد

افسروں کے سینے پر نیلی چڑیا دیکھ کر ارادہ کیا کہ جہاز سے چھلانگ ضرور لگائیں گے چاہے یہ حرکت ہماری سنگل پسلی کے لئے قابل اعتراض ہی کیوں نہ ہو لیکن دوسری جانب میرے سابقہ کزن اور موجودہ بیٹری کمانڈر کے عزائم یکسر مختلف تھے۔ انہوں نے سیالکوٹ میں ٹائپ شدہ کاغذات کا ایک پلندہ تھماتے ہوئے کہا "پڑھنے کیلئے ہیں ایک ہفتہ کے بعد آرٹلری سکول نوشہرہ جانا ہے۔ پی ایم اے سے نکلتے ہی کورس یہ تو وہی بات ہوئی کہ سر منڈاتے ہی اولے پڑے۔ یونٹ لائنز میں رات کے پہلے پہر صف بندی او کے رپورٹ کا سلسلہ ختم ہوا۔ تو میں اپنی یونٹ میں شامل ہونے کیلئے آگے جا رہا تھا کچی سڑک پر فوجی گاڑیاں رینگ رہی تھیں۔ ڈرائیور نے اچانک ہیڈ لائٹ آف کر دی۔

"سر! علاقہ شروع ہو گیا"۔

"گھبراؤ نہیں! اطمینان سے گاڑی چلاتے رہو" ڈرائیور نے میری جانب دیکھا اور ساری توجہ کچی سڑک کے اتار چڑھاؤ پر مرکوز کر دی۔

'سر! یونٹ شروع ہو گئی ہے۔ ڈرائیور نے چند منٹ کے بعد دوبارہ معلومات میں اضافہ کیا۔ سیکنڈ لیفٹیننٹ کیلئے یہ معلومات بہت قیمتی تھیں۔ چاروں طرف گھپ اندھیرا تھا البتہ دور ٹمٹماتی ہوئی روشنی کسی گاؤں کے وجود کا احساس دلا رہی تھی۔ جیپ ایک درخت کے نیچے رکی بیٹری کمانڈر بھی اپنی جیپ میں وہاں پہنچ گئے اب ہماری منزل

فیلڈ میس تھی جو کم از کم مجھے کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ اچانک بیٹری کمانڈر نے ایک خیمے کا پردہ اٹھایا تو وہاں دن نکلا ہوا تھا۔ گیس لیمپ کی روشنی میں ہر افسر کے رینک چمک رہے تھے۔ ابھی میں سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ یونٹ کے کمانڈنگ آفیسر کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ وہ بڑی گرم جوشی سے ملے۔ مبارک باد دی۔ اس کے بعد باری باری سب سے ہاتھ ملایا نوجوان افسر اس بات پر حیران تھے کہ میں دس روز کی چھٹی کیوں ضائع کرآیا ہوں۔ ڈنر کے بعد خیمہ سے باہر نکلے تو دس روز کی چھٹی موضوع بحث تھی۔ ایک افسر نے یہ چھٹی اپنے نام منتقل کرانے کی کوشش کی۔ میرا خیال تھا کہ اب کہیں آرام کا بندوبست ہوگا لیکن کمانڈنگ آفیسر کے میس سے جانے کے بعد معلوم ہوا کہ سیکنڈ لیفٹیننٹ پر یہ رات بہت بھاری تھی۔

بہرحال کیڈٹ کی داستان یہاں ختم ہوتی ہے اور سیکنڈ لیفٹیننٹ کی کہانی کا آغاز ہوتا ہے۔